آئینہ حق

(علامہ آئی آئی قاضی کی تقاریر کا مجموعہ)

مرتب و مترجم

محمد موسیٰ بھٹو

لامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی
حیدرآباد، سندھ۔ پاکستان
۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء

Marfat.com

Marfat.com

DATA ENTERED

آئینہ حق

(علامہ آئی آئی قاضی کی تقاریر کا مجموعہ)

ترجمہ و ترتیب :

محمد موسیٰ بھٹو

علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی

حیدر آباد- سندھ پاکستان

76664

کتاب کا نام : ـــــــــــــــ آئینہ حق

مصنف : ـــــــــــــــ علامہ آئی آئی قاضی

ترتیب و ترجمہ : ـــــــــــــــ محمد موسیٰ بھٹو

کمپوزر : ـــــــــــــــ اشفاق احمد بھٹو

کمپوزنگ : ـــــــــــــــ اسلامک کمپیوٹر کمپوزرس

۴۰۰ بی لطیف آباد نمبر ۴

حیدر آباد سندھ

سال : ـــــــــــــــ ۲۰۰۰ء

قیمت : ـــــــــــــــ ۸۰/روپے

علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی

Marfat.com

فہرست عنوانات

	تعارف	ڈاکٹر نبی بخش بلوچ	۵
	مقدمہ	محمد موسیٰ بھٹو	٦
	پبلک سرونٹ تشریح اور اس کا تاریخی پس منظر		۲۰
۲	**نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا پس منظر و پیش منظر** مغل دور کے علمی پہلوؤں کے حوالے سے		۴۱
۳	**علم طبعی** اور اسلام میں اس کی اہمیت		۵۸
۴	**الکتاب والحکمۃ** اور اس سے روگردانی کے نتائج		٦۹
۵	تمدن اور تمدنی زندگی		۷۸
٦	سائنس اور آرٹس		۸۷
۷	تعلیمی نظام کی نئی تشکیل		۱۱۱
۸	اتحاد کیلئے تفکر اور خاموشی کی ضرورت		۱۱۷
۹	قوم کی حالت زار پر کچھ آنسو		۱۲۸
۱۰	فرض ناشناسی کے المناک نتائج		۱۴۴

۱۱	ذمہ داریوں کی ادائیگی اور بامقصد زندگی کی دعوت	۱۵۳
۱۲	اقبال کی خودی کا فلسفہ ایک درد انگیز پیغام	۱۵۸
۱۳	بیدار اور روشن ذہن	۱۷۱
۱۴	سندھی ادب میں جدید رجحانات	۱۹۱

PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

تعارف

علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی کی طرف سے علامہ کی فکر پر اردو میں یہ تیسری کتاب ہے، جو 'آئینہ حق' کے نام سے پیش کی جارہی ہے۔ علامہ کی۔ فکر کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر ضرورت تھی کہ اس فکر کو پاکستان کے قومی اور ملی حلقوں میں اردو میں بھی پیش کیا جائے، تاکہ انگریزی اور سندھی نہ جاننے والے افراد کی علامہ کے فکر تک رسائی ہو سکے۔ اس سلسلہ میں جب محترم محمد موسیٰ بھٹو سے گفتگو ہوئی تو وہ اس کام کے لئے آمادہ ہوئے، بلکہ انہوں نے اسے دینی اور ملی فریضہ سمجھکر سرانجام دیا، جس کے لئے وہ ہماری طرف سے تبریک کے مستحق ہیں۔

آج دنیا اور خود عالم اسلام کو ایک ایسے فکر کی ضرورت ہے، جو اس کے لئے ہر اعتبار سے تشفی اور تسکین کا ذریعہ بن سکے اور جو اس کی جملہ اخلاقی، روحانی، ذہنی اور عملی ضروریات کے لئے لائحہ عمل کا تعین کر سکے، یہ فکر مسلمانوں کے پاس اس کی اصل اور بنیادی تعلیمات کی صورت میں موجود ہے، لیکن دور جدید کی نظریاتی اور فکری بھول بھلیوں میں ملت اپنی اس پاکیزہ اور بلند پایہ فکر سے کافی دور ہو چکی ہے۔ ہماری نئی نسل کا تو اپنے فکر پر اعتماد ہی مجروح ہو چکا ہے اور وہ تہذیب جدید سے متاثر اور مرعوب ہو کر اس دوراہے پر کھڑی ہے، جہاں اس کے لئے صحیح اور غلط فکر کی نشاندہی مشکل ہے۔ ان حالات میں تعلیم یافتہ نئی نسل کے لئے علامہ کی فکر میں تسکین اور کشش کا سامان موجود ہے، اس لئے کہ اس میں حق و صداقت کے پیام کو جدید علوم اور فکر کے پس منظر میں اور نئے ذہن کے علمی سطح کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کوشش ہر اعتبار سے مؤثر، مفید اور کامیاب کوشش ہے۔ اللہ کرے قومی سطح پر علامہ کی فکر سے صحیح طور پر استفادہ کی صورت پیدا ہو۔

نبی بخش
سیکریٹری علامہ آئی آئی قاضی
یادگار سوسائٹی حیدر آباد

Marfat.com

مقدمہ

'مشاہدہ حق' اور 'عرفان حق' کے بعد علامہ آئی آئی قاضی کی فکر پر مشتمل زیر نظر کتاب یہ تیسری کتاب ہے، جو قارئین کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔ قارئین ہماری اس بات سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ علامہ کی فکر اتنی بلند پایہ ہے اور اس میں جدید اذہان کو متاثر کرنے کی اتنی صلاحیت ہے کہ اس اعتبار سے برصغیر ہند بلکہ عالم اسلام میں بہت کم مفکر ایسے ہیں، جو فکر کی بلندی، زرخیزی، سلامتی، توازن اور اسلامی فکر کے تاریخی تسلسل سے مناسبت اور قرآن و سنت کی روح سے مطابقت اور جدیدیت کے طوفان بلا سے مقابلہ کی صلاحیت کے حامل ہوں۔

اٹھارویں انیسویں صدی میں مغرب سے انسان، کائنات اور خدا کے بارے میں جو تصورات اور نظریات طوفان کی تیزی کی طرح اٹھے، جنھوں نے اہل مغرب کو خالص مادہ پرستی کے راستے پر ڈال دیا اور ان کے ذہن، فکر اور مزاج کی نشو و نما میں فیصلہ کن کردار ادا کیا، ان نظریات نے ریاست کے سارے اجتماعی نظام اور عملی زندگی کے سارے شعبوں نظام قانون، نظام تعلیم، نظام تربیت، نظام ابلاغ کو سیکولرزم کی بنیاد پر تشکیل دیا اور اجتماعی زندگی کے عملی مسائل کو آزاد اور عقل محض سے حل کرنے کا اصول طے کیا اور اس معاملہ میں مذہب اور مذہبی تعلیمات، خدا اور وحی کی تعلیمات کو یکسر مسترد کر کے مادر پدر آزادی، جمہوریت اور سائنٹفک حقیقت کو سب سے آخری صداقت کے طور پر تسلیم کرنے کا راستہ اپنایا۔ مغرب کے یہ نظریات اہل مغرب تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ اسلامی دنیا میں بھی یہ نظریات جدید نظام تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے توسط سے پھیلنے لگے، جس سے عالم اسلام کی نئی

Marfat.com

نسل سیکولرزم، جدیدیت، آزادی، مذہب بیزاری، اسلام پر عدم اعتماد، عقل کے ذریعے مسائل کے حل کے موقف اور نقطہ نگاہ کی حامل ہونے لگی۔ چونکہ عقلیت اور سائنٹفک حقیقت کے نام پر جدیدیت نے خدا، مذہب، وحی، اسلامی شریعت اور نبوی تعلیمات کے خلاف اذہان کو ہموار کرنے کے لئے انسانی فکر کی از سر نو تشکیل کا "کارنامہ" سرانجام دیا تھا، استدلال کی نئی عمارت کھڑی کی تھی، نظریات کو نئی بنیادیں فراہم کی تھی اور علوم وفنون کے سارے شعبوں میں کائنات کی خالق ہستی کے انکار، عقل سے ماورائی حقائق کا بطلان، الاہی نور، روحانیت، وجدانیت اور انسان کے نورانی الاصل وجود سے انکار کی فکر کو اس طرح شامل کیا تھا کہ جدید انسان کے لئے مادیت کے ان افکار اور نظریات سے متاثر ہوئے بغیر رہنا مشکل تھا۔ مغرب کی یہ قوتیں جب عالم اسلام میں استعمار کی حیثیت سے غالب ہوئیں تو انہوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کی تبدیلی اور از سر نو نظام تعلیم کی تشکیل کے ذریعے اپنے ان نظریات کو ملت اسلامیہ پر بھی مسلط کرنا شروع کیا، ان حالات میں عالم اسلام اور برصغیر کی ملت اسلامیہ کے لئے اہم مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ وہ اپنی جدید تعلیم یافتہ نسل کو جدیدیت کے اس سیلاب سے بچا کر فکری اور شعوری طور پر اس کا اسلام پر اعتماد کیسے قائم اور برقرار رکھ سکے۔

اس سلسلہ میں قدرت نے ملت اسلامیہ کی جدید تعلیم یافتہ نسل کی اسلامی بنیادوں پر ذہن سازی کے لئے نئے دور کے نئے مفکروں اور دانشوروں سے کام لیا۔ اس طرح کے مفکروں میں عالم اسلام میں پہلی اور دوسری سطح کی کافی شخصیتیں سامنے آئیں۔ علامہ آئی آئی قاضی ان مفکروں اور دانشوروں میں پہلی صف کی شخصیت ہیں۔

لیکن ان اسلامی مفکروں میں علامہ کو ایک دوسری امتیازی حیثیت بھی حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ جدیدیت کی علمی تردید اور اسلامی فکر کو اس کے تاریخی پس منظر میں پیش کرنے اور اسلام کے لئے استدلال کی نئی عمارت کھڑے کرنے کے سلسلے میں علامہ موصوف نے فکر

Marfat.com

اسلامی کی تشکیل میں اسلام کی نصب العینی تعلیم اور اس کے فرائض وواجبات کے نظام اور اس کی ترتیب میں تبدیلی اور افراط و تفریط کی بجائے اعتدال و توازن سے کام لیا ہے اور قلب سلیم اور عقل سلیم کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ دور جدید کے سیاسی، معاشی اجتماعی فکرو فلسفہ اور طاقتور ریاستی نظاموں سے سرمو بھی مرعوب اور متاثر ہوتے ہوئے نہیں آتے۔ علامہ آئی آئی قاضی کی فکر کی یہ ایسی امتیازی خصوصیت ہے، جس میں وہ صف اول کے کئی اسلامی مفکروں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

آج ہمارے ہاں جدید اسلامی طبقات میں اسلامی فکر کے جو مختلف دبستان مصروف کار ہیں، وہ دراصل جدید اسلامی مفکروں کے جدیدیت سے غیر شعوری طور مرعوبیت کا نتیجہ فکر ہیں۔ کچھ مفکروں نے جدید ریاست کی اجتماعی قوت اور سائنسی ترقی کے نتیجہ میں اہل مغرب کو حاصل ہونے والی مادی سہولتوں بلکہ مادی عروج کو دیکھ کر اسلام کے ایسے تصور کو فروغ دینے میں اپنی قوتیں اور صلاحیتیں صرف کیں، جس میں جہاد، سپاہیانہ زندگی، مادی ترقی، نظم وضبط، دنیا کے سازوسامان اور خوشحالی کو ہی قرآنی جنت سے تعبیر کر کے اس جنت کے حصول کو دین کا نصب العینی کام شمار کیا گیا۔ اور قرآن اور سارے اسلام کی تشریح مادی دنیا کے حصول، ریاستی اقتدار اور جہاد کے مرکزی نکتے کے گرد کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس تشریح اسلام میں عبادات، اللہ سے تعلق، تزکیہ، سیرت و کردار کی بلندی، معاملات میں پاکیزگی، آخرت کی تیاری کے لئے فکرمندی، تقویٰ، ایمان ویقین، معاشرے میں رجوع الی اللہ کی دعوت وغیر ان ساری چیزوں کو اس طرح نظرانداز کیا گیا، گویا اسلام میں ان چیزوں کو قابل ذکر اہمیت ہی حاصل نہیں۔ چونکہ یورپ میں جمہوریت، ڈکٹیٹر شپ (ہٹلر اور مسولینی کی ڈکٹیٹر شپ) کی صورت میں سائنسی ترقی، تنظیم، قوت، عقل کے بھرپور استعمال کے ذریعہ علوم وفنون کی ارتقاء، فرسودہ طاقتوں کے خاتمے، جدید اعلیٰ تعلیمی اداروں کے قیام، تحقیقی لیبارٹیوں کی تشکیل اور صنعتی ترقی کی وجہ سے دولت کی فراوانی اور عوام کی

Marfat.com

خوشحالی کا منظر آنکھوں کے لئے خیرہ کن تھا، اس لئے جدید تہذیب، جدید نظاموں اور مادہ پرست طاقتور ریاستوں کی اس ترقی سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے لئے انہی چیزوں کے حصول کو نصب العینی حیثیت سے پیش کر کے قرآنی حوالوں سے فکر پیش کی گئی اور اسلام سے ناواقف خالی ذہن نوجوانوں کو جہاد کے نام پر دنیا میں سربلندی کا نعرہ دے کر منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔

بعض مفکروں نے اسلامی قوانین کے اجراء، اقتدار کی قوت کو اسلام کے تابع بنانے اور خدا کی حاکمیت کا قیام بذریعہ اقتدار کے کام کو، دین کے نصب العینی فکر کی حیثیت سے پیش کر کے، اسلامی فکر کی نئی تشکیل میں سیاست اور اقتدار کو نہ صرف غیر معمولی اہمیت دی، بلکہ ساری جدوجہد کا مرکزی نکتہ اقتدار کی تبدیلی کو قرار دیا، اس مقصد کے لئے اپنی اعلیٰ ذہنی صلاحیتیں صرف کر کے ایسا لٹریچر تخلیق دیا گیا، جس میں اقتدار کی تبدیلی کی جدوجہد اور اسلامی قوانین کے اجراء کے کام کو دین کے سارے کاموں کا جوہر، روح اور اصل ہدف قرار دیا گیا۔ اگرچہ اس فکر میں اسلام کے فرائض، واجبات، عبادت، تقویٰ، ایمان یقین، سیرت و کردار اور اسلامی اقدار کو بھی اہمیت دی گئی ہے، لیکن اسلام کے ان فرائض، واجبات اور اس کی دوسری ساری تعلیمات کو اقتدار کی جدوجہد اور اسلامی نظام کے قیام کی کاوشوں کے ساتھ اس طرح وابستہ کیا گیا ہے کہ اسلام کی یہ ساری تعلیمات اس جدوجہد کے لئے ضمیمہ کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ اگر اللہ سے محبت میں کمی ہے۔ اگر عبادت اور ذکر و فکر میں کوتاہی ہے۔ اگر تقویٰ کے لئے آمادگی نہیں، اگر معاملات اور تعلقات میں بہتری نہیں، اگر صبح سے شام تک ایمان کی قلبی کیفیات ٹھیک نہیں، اگر حسد، کبر، حب جاہ و حب مال، غیض و غضب کے جذبات موجود ہیں، تو یہ ساری چیزیں قابل معافی ہیں۔ اس لئے کہ دین کی نصب العینی تعلیمات میں ان کی اہمیت ثانوی ہے۔ لیکن اگر زندگی کے اجتماعی نظام کو تبدیل کرنے اور اسلامی نظام کے قیام اور سیاسی جدوجہد (جو تبدیلی اقتدار اور قوانین اسلامی

Marfat.com

کے نفاذ کا ذریعہ ہے) میں کمی و کوتاہی کا مظاہرہ ہوگا تو یہ گناہ ناقابل معافی ہے، اس لئے کہ یہ دین کا نصب العینی کام ہے۔

بعض مفکر وہ ہیں جنہوں نے کمیونزم کی فکر سے متاثر ہو کر اسلامی فکر کی تشکیل جدید میں معاشیات کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ ان کے فکر کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ انبیاء کی ساری جدوجہد سرمائیداروں، مالداروں اور امیروں کے خلاف رہی ہے۔ دنیا میں دولت اور سرمایہ فتنہ کی بنیاد ہے۔ سرمائیدار الٰہی پیغام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، اس لئے سرمائیداری نظام کو ختم کر کے لاطبقاتی ریاستی نظام کے لئے جدوجہد کرنا، یہ دین کا نصب العینی پروگرام ہے۔

اس فکر میں بھی اسلام کی دوسری ساری تعلیمات کو ثانوی اہمیت دی گئی ہے اور اسلامی فکر کی پیشکش میں ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے، جس سے اس فکر سے متاثر افراد کے لئے توحید و رسالت کے زبانی اقرار کے بعد طبقاتی معاشرہ کے لئے جدوجہد کے علاوہ اسلامی نقطہ نگاہ سے دوسرے کام چنداں اہمیت کے حامل نہیں۔

بعض مفکر وہ ہیں، جنہوں نے اسلام کے نصب العینی فکر عبادت، اخلاص، تعلق مع اللہ، اخلاق حمیدہ، صبر، اعراض، بردباری اور فکر آخرت پر غیر معمولی زور دیا ہے اور ایسا لٹریچر تخلیق دیا ہے، جس میں سیاسی اسلام کے مقابلے میں ذاتی اصلاح، تزکیے اور اسلام کے دعوتی پہلو کو فیصلہ کن اہمیت دی گئی ہے اور مسلمانوں کے بگاڑ، زوال، کفر و طاغوت کی طاقتوں کی غلامی، محتاجی اور ان کے مقابلے میں زندگی کے ہر شعبہ میں زبوں حالی، پستی اور قابل رحم حالت کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کا بنیادی سبب ذاتی اصلاح سے غفلت اور دعوتی کاموں سے اعراض ہے۔ ہمارے ان مفکر کا اس بات پر از حد اصرار ہے کہ اسلام کی ایسی سیاسی، انقلابی اور جہادی تشریح جس میں مسلمانوں کو کفر کی عالمی اور داخلی طاقتوں کے سازشی کردار کے شعور اور نفس پرستی کی ان قوتوں کے مقابلے کے لئے کردار کی ادائیگی کے

Marfat.com

لئے آمادگی اور مسلمانوں کی زندگی اور بقا کے لئے جہاد و قتال کی تحریکیں، مسلمان ممالک میں جہاں اسلامی قوانین کے نفاذ اور اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کے لئے وہ حکمرانوں پر سیاسی، اخلاقی اور عوامی دباؤ ڈال کر اس سلسلہ میں پیش رفت کر سکتے ہیں۔ ہمارے ان مفکر کی نظر میں دین کے یہ سارے کام ایسے ہیں، جو دین کی غلط تشریح کا نتیجہ ہیں، ذاتی اصلاح اور دعوت ہی ایسے کام ہیں، جو مسلمانوں کے جملہ مسائل کا حل ہیں۔ اگر ذاتی اصلاح اور دعوتی کاموں میں صلاحیتیں اور توانائیاں صرف ہوں گی تو اس کے نتیجہ میں کفر، شیطنت اور نفس پرستی کی عالمی قوتوں کی سازشیں از خود ختم ہو جائیں گی۔

ہمارے ان مفکر کا کہنا ہے کہ تاریخ میں مسلمانوں میں کفر کی طاقتوں کے خلاف شعور پیدا کرنے اور مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کے لئے اٹھنے والے باطل گروہوں کے خلاف جہاد کے نام پر جب بھی مقابلہ ہوا ہے، تو یہ دراصل خود ساختہ اسلامی تشریح کی وجہ سے ہوا ہے، ورنہ جہاں تک حقیقی اسلام کا تعلق ہے تو وہ صرف عبادت، تعلق باللہ، فکر آخرت، سیرت و کردار کی بلندی، صبر، اعراض، دشمن کی اشتعال انگیزی کے سامنے نظر اندازی اور معافی کا نام ہے۔ اس تشریحِ اسلام کے مطابق ایسی ہر جدو جہد ناجائز اور قابل مذمت ہے، جس میں سیاسی سطح پر اسلامی غلبہ کا کام ہو جس کے نتیجہ میں ریاست کے قوانین کی اسلامی بنیادوں پر تشکیل ہو۔ ایسا جہاد بھی غلط ہے، جس کے تحت مسلمان اپنی بقا، تحفظ اور آزادی کی جنگ لڑ رہے ہوں۔

یہ وہ کچھ دبستان فکر ہیں، جو جدیدیت کے شیطان سے مقابلے اور اسلام کی تشریح جدید کی صورت میں ہمارے ہاں پیش ہوئے ہیں۔ یقیناً اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ ہمارے ان مفکروں نے اسلامی فکر کی نئی تشکیل کے لئے جو استدلال، اسلوب اور انداز اختیار کیا ہے، وہ دور جدید کے اسلوب اور استدلال سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔ انہوں نے نئے دور کے علوم اور فکر و فلسفہ کو ہضم کر کے ان علوم کو توحید و رسالت کی صداقت کے لئے جس

Marfat.com

طرح استعمال کیا ہے، ان کی اس خوبی، صلاحیت اور کاوش نے بہت سارے جدید تعلیم یافتہ افراد کے فکر کی اصلاح کی ہے۔ انہیں الحاد، دہریت اور لادینی نظریات کے خلاف استدلال کی مضبوط بنیادیں فراہم کر کے اسلام اور اسلامی نظام پر ان کے اعتماد کو بحال کرنے میں کردار ادا کیا ہے۔ لیکن ان کے دفاعی کام کے اس مثبت پہلو کے علاوہ جہاں تک اسلام کی مکمل تشریح کا تعلق ہے، تو ہمارے لئے قرآن وسنت کی وہی تشریح صحیح ہو سکتی ہے، جو سبیل المؤمنین کی ہے۔ جس میں علم نبوت کے ساتھ نور نبوت بھی شامل ہے اور جو سلف صالحین کے فکر اسلامی سے ماخوذ ہو۔ اس اعتبار سے جب ہم علامہ آئی آئی قاضی کی فکر کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو موصوف کی فکر میں جدید وقدیم فکر و فلسفہ کی آہنگ پوری طرح نظر آتی ہے۔ فلاسفروں میں شاید ہی کوئی قابل ذکر فلسفی ہو، جس کا انہوں نے مطالعہ نہ کیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے اسلامی فکر کی تشکیل میں اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ اس کا اسلوب، انداز اور مزاج جدید ہو۔ اس میں نئے دور کے علمی، فکری و نظریاتی تقاضے مد نظر ہوں اور جو نئے ذہن سے مطابقت رکھتا ہو اور ان کے لئے متاثر کن بھی ہو، لیکن جہاں تک اسلامی فکر کے نصب العینی ہدف اور فرائض وواجبات کے نظام کا تعلق ہے تو اس میں علامہ کی فکر سبیل المؤمنین یعنی سلف صالحین کی فکر سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اس سلسلے میں علامہ کی فکر کے تقریباً سارے اجزاء ایسے ہیں، جن پر صحیح اسلامی فکر کے نقطہ نگاہ سے بڑی حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے اور یہ فکر افراد کے لئے صراط مستقیم کے وہی خطوط اور راہیں متعین کرتی ہے، جو سلف صالحین کی اسلامی فکر کرتی ہے۔

یہاں ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر علامہ کی فکر کے بنیادی خطوط کیا ہیں۔ ان کے ہاں اسلام کا نصب العینی ہدف کیا ہے، وہ اپنی فکر کے ذریعہ افراد کو کیا پیغام دیتے ہیں، اور کس طرف بلاتے ہیں۔ یعنی سیاسی جدوجہد، اقتدار کی تبدیلی، اسلامی نظام کے قیام کی دعوت، سپاہیانہ زندگی، سرمائیداروں کے خلاف کاوش، لاطبقاتی معاشرہ کے قیام کے لئے

Marfat.com

آمادگی، دین کے ذریعہ دنیاوی زندگی کو بہتر اور خوبصورت بنانے کا پیغام، ان میں سے کون سا بنیادی نکتہ علامہ کے فکر کا مرکزی نکتہ ہے۔

علامہ کے فکر کا مرکزی ہدف فرد کی ذات ہے، وہ فرد کی تبدیلی سے فکر اور پیام کا آغاز کرتے ہیں، جو معاشرہ کی تبدیلی سے ہوتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ وہ مذاہب کے وسیع مطالعے، اسلامی فکر کی گہرائیوں میں ڈوبنے، جدید و قدیم فکر کے عمیق تجزیے کے بعد اس نتیجہ تک پہونچے ہیں کہ ریاست او سماج کی اصلاح، تعمیر اور اس کے سارے اداروں کی بہتر اور پاکیزہ بنیادوں پر تشکیل کے لئے صالح افراد بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب تک ایمان و یقین، محبت و معرفت و خود شناسی و خدا شناسی کے ذریعہ افراد کی نفسیات اور اس کی داخلی زندگی میں بنیادی تغیر واقع نہیں ہوتا اور اس کی ہمہ گیر داخلی زندگی شیطنت، حیوانیت، بہیمت اور شر سے قابل ذکر حد تک پاک نہیں ہوتی اور افراد تزکیے کے مراحل سے نہیں گذرتے، اس وقت تک ریاست اور سماج کے اداروں کو فساد، انتشار، تخریب، بے ایمانی، کام چوری، لوٹ مار، مفاد پرستی، اور نفس پرستی کے مظاہرہ سے بچانا ممکن نہیں۔ قانون کی بڑی سی بڑی طاقت اور کثیر دولت کے استعمال سے بھی افراد میں حقیقی دیانتداری، احساس ذمہ داری، حب جاہ و حب مال سے دست برداری، اور انسانی اوصاف کا پیدا ہونا نہ صرف مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ چونکہ اسلام انسانی فطرت سے پوری طرح آشنا ہے، وہ اس کی کمزوریوں، کوتاہیوں، اس کی نفسیات میں موجود بگاڑ اور شر کے ساتھ ساتھ اس میں موجود خیر کے اجزاء سے واقف ہے، اس لئے اسلامی تعلیمات میں ریاست اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، وہ بالکل فطری طریق کار ہے۔ وہ یہی طریقہ ہے کہ افراد کی تبدیلی کو بنیادی اہمیت دی جائے، محض افراد کے ذہن کو تبدیل کرنے پر اکتفانہ کیا جائے۔ بلکہ دل، وجدان، نفسیات اور اس کی باطنی زندگی میں بھی تغیر برپا کرنے کی طرف توجہ دی جائے۔

علامہ کی نظر میں اسلام سارے مذاہب کی آخری ارتقائی شکل ہے۔ اور سارے

Marfat.com

مذاہب کی نصب العینی تعلیم بندگی کے فرائض بجالانا اور عبد کو مولیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت کے ایسے رشتہ میں منسلک کرنا ہے، جس سے بندہ سب سے منقطع ہو کر صرف اسی کا ہو جائے، اس کی ساری زندگی اللہ سے محبت اور اس کے احکامات کی بجا آوری سے عبارت ہو جائے، نیز فرد معاشرہ میں برائی اور اس کی طاقتوں کے خلاف بھی سراپا احتجاج بن جائے۔ اگر برائی کے قلع قمع کے لئے طاقت نہیں تو کم از کم برائی کے خلاف نفرت تو پیدا ہو۔ یہ ایمان اور محبت کی کم سے کم علامت ہے۔ جب ایمان اور پاکیزہ محبت دل کی گہرائیوں میں داخل ہو جاتی ہے تو فرد محبوب اور اس کے مقاصد کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔ محبت، اطاعت اور وفاداری ہی اس کا طرز زندگی بن جاتا ہے۔ اس کے بغیر اس کے لئے زندگی کا تصور ہی ممکن نہیں۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی قرآنی آیت سے جن وانس کی تخلیق کا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔ عبد میں اگر خالی اطاعت شامل ہو، اس میں والہانہ پن، اپنی ساری داخلی اور خارجی توانائی کے ساتھ غلامی بجالانے، عجز، تذلل اور آخری حد تک فنائیت شامل نہ ہو تو بندگی کے حقوق و تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ اطاعت تو تنخواہ دار ملازم بھی بجالاتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے اس اطاعت میں محبت، اخلاص کی گہرائیاں، والہانہ پن اور مالک کے ساتھ فنائیت شامل نہیں ہوتی، یہ اغراض کی اطاعت ہوتی ہے، یہ دولت سے خریدی جانے والی اطاعت ہے، لیکن ایسی اطاعت جس میں فرد اپنے مولیٰ کے لئے فنا ہو جائے، اس سے کوٹ کوٹ کر محبت کرنے لگے، اس کی ذات سے اس طرح وابستہ ہو جائے کہ ہر وقت اس کی یاد سے اس کا دل شاد ہونے لگے۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر کے بغیر وہ بے چین ہو جائے۔ محبت اور فنائیت سے سرشار یہی اطاعت ہے، جو اللہ کو اپنے بندوں سے مطلوب ہے۔ اسی بندگی کے لئے تمام انبیاء مبعوث ہوئے، اسلامی شریعت کا بھی مقصد یہی ہے۔ قرآن و سنت کی ساری تعلیمات بندگی کے فرائض اور حقوق کی ادائیگی کی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

Marfat.com

لیکن جب وقت کی طاقتور ریاستوں اور ان کے نظام اور ان کی تہذیب کے اثرات کے زیر اثر سیاست، معیشت، اجتماعیت، محبت، فنائیت اور تذلل سے خالی اطاعت ہی دین کا نصب العین شمار ہونے لگے تو پھر جدوجہد کے اہداف اور رخ بدل جاتے ہیں اور ان اہداف کے لئے بھی وہ قوت اور توانائی حاصل نہیں ہو پاتی، جو توانائی محبوب کے ساتھ محبت اور فنائیت کے حامل افراد میں موجود ہوتی ہے۔

اسلام کی تشریح میں بندگی کو مقصود قرار نہ دینے کی وجہ سے جو نقصانات ہوتے ہیں، وہ غیر معمولی ہیں۔ یہاں کچھ نقصانات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔

☆ نفسی قوتیں اور داخلی بت افراد کو زندگی بھر اپنی پرستش کے لئے اکساتے رہتے ہیں، ان کی پرستش سے بچنا دشوار ہوتا ہے۔

☆ اسلام کے نام پر ہونے والی جدوجہد، داخلی تضادات، باہمی انتشار اور حب جاہ و حب مال اور حسد و عناد کے جذبات کے نذر ہو جانے کا شدید امکان موجود رہتا ہے۔

☆ اخلاص، ایمان و یقین کی گہرائیاں، محبت و دردِ محبت اور اسلام کی حقیقی خدمت کی بجائے یا تو قیل و قال سے زیادہ دلچسپی ہونے لگتی ہے یا پھر انہی کاموں سے تعلق خاطر ہونے لگتا ہے، جن میں سستی شہرت، نام و نمود کے اظہار اور ذاتی مفادات کے مواقع مہیا ہوتے ہوں۔

☆ فرد و افراد کے لئے انسانی نفسیات کی حیرت انگیز قوتوں اور نفس و شیطان کے مکر اور دجل و فریب سے واقفیت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور اسلام کی ظاہری تعلیمات کو اصل سمجھ کر اس کے حقیقی مفہوم، اصلی نور اور اس تعلیمات کے پس پردہ کار فرما مقاصد تک رسائی سے محرومی ہوتی ہے۔

حقیقی تبدیلی اور اسلامی سیاست کی اصل حکمت عملی جو باطن کی تبدیلی اور اندر کی گہرائیوں سے تعلق رکھتی ہے، (جس سے داعی افراد معاشرہ کے ساتھ حکیمانہ انداز سے

معاملات کی صلاحیت سے بھرہ ور ہوتا ہے) عام طور پر اس سے بھی محرومی ہوتی ہے، نیز وقت بے وقت غیض و غضب کے جذبات کے اظہار سے بچاؤ کی صورت کا پیدا ہونا مشکل ہے، بڑے سے بڑا علم اور بڑی سے بڑی دانش اور خارجی محاذ پر دین کا بڑے سے بڑا کام بھی فرد و افراد میں منکسرانہ، عاجزانہ اور انسانیت نواز مزاج پیدا کر سکے اور اسے تحمل، بردباری، آخری حد تک صبر کے اوصاف کا حامل بنا سکے، مشکل ہے۔

☆بندگی کی لذت، دردِ محبت اور حقیقی محبوب سے تعلق کی عدم استواری کی وجہ سے افراد کے لئے اپنی ساری زندگی باطن میں موجود اپنی غیر معمولی روحانی اور اخلاقی قوتوں سے آشنائی نہیں ہو پاتی، وہ محض عقل، علم اور ذہانت کے سہارے چلنے لگتا ہے۔ باطنی روشنی اور نور ایمان کی گہرائیاں (جس کا ظہور حقیقی بندگی کی صورت میں ہی ہوتا ہے) ان سے محرومی ہوتی ہے۔ یہ محرومی اسلام کے لئے بہتر داعی، اچھے کارکن، اچھی لیڈر شپ اور حقیقی دانش کی راہ میں غیر معمولی رکاوٹ بن جاتی ہے۔

☆بندگی (جو اطاعت کے ساتھ آخری حد تک تذلل کا نام ہے) یہ درد محبت سے آشنائی کا راستہ ہے۔ درد محبت سے ناآشنائی کا مطلب انسانی فطرت کی گہرائیوں میں موجود فرد کی اصل قوت اور اس کے حقیقی جوہر (جو کشش ثقل کی حیثیت رکھتی ہے) سے محرومی ہے، ظاہر ہے اس نعمت سے محرومی کے بعد محض عقل کے ذریعہ شریعت کے مقاصد کو سمجھنا ہے۔ اس لئے قرآن میں تقویٰ کو علم کا ذریعہ کہا گیا ہے اور دوسری آیت میں تقویٰ کو صحیح و غلط اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کی کسوٹی قرار دیا گیا ہے۔ تیسری آیت میں عمل صالح اور حقیقی ایمان کے نتیجہ میں اسی دنیا میں پاکیزہ زندگی یعنی لذت کی زندگی جو جنت کی زندگی سے عبارت ہے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

یقیناً اسلام کے وسیع تر بلکہ عالمگیر پروگرام میں پوری انسانیت کی اصلاح پیش نظر ہے اور ریاست کے نظام میں تبدیلی بھی اس کے اہداف میں شامل ہے، اس لئے کہ ریاست کے

Marfat.com

باطل مقاصد اور غلط قوانین اسلام کے مقاصد اور قوانین سے متصادم ہیں۔ اس کے علاوہ ریاست کا جبری نظام، اس کا معاشی جبر اور اس کا پیدا کردہ اجتماعی ماحول افراد کے لئے عبادت، بندگی اور اسلامی شریعت پر چلنے کی راہیں مسدود کرتا ہے۔ لیکن انسانیت کی اصلاح اور ریاست کے نظام میں جوہری تبدیلی کا فطری راستہ افراد معاشرہ کی حقیقی اور باطنی تبدیلی سے ہی گذرتا ہے۔ جو افراد باہمی تعلقات کی بہتر استواری کی حکیمانہ راہ سے ہی واقف نہ ہوں، وہ اگر ریاست کے نظام کی تبدیلی کی بات کریں گے تو ظاہر ہے یہ دعویٰ مضحکہ خیز ہی ہوگا۔

علامہ آئی آئی قاضی کی فکر میں "میں" یعنی انانیت، کبر اور بڑے پن کے شیطان کا بھی ذکر ملتا ہے۔ علامہ کہتے ہیں آج کل تقریباً ہر شخص اس بیماری کا مریض ہے، فخر اور بڑے پن کے جذبے کے ہوتے ہوئے، افراد اور معاشرہ کی اصلاح مسدھارے اور تعمیر نو کا ہونا کیسے ممکن ہے، تکبر کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ افراد کے لئے بزرگوں اور جہاندیدہ افراد سے سیکھنے سکھانے اور سمجھنے سمجھانے اور روحانی اور اخلاقی فیض رسانی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور دل کے سوتے خشک ہو جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے علوم و فنون اور عقلیت کے غلبہ کی وجہ سے عالمی سطح سے اپنی ذات کی پوجا، اپنے آپ میں کھو جانے اور دوسروں کی عدم تکریم، ادب و آداب کے خاتمے اور بڑے پن کے زہریلے اثرات کی جو فضا شروع ہوئی ہے، اس نے ہمارے معاشرے کو بری طرح اس بیماری کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ عارفوں کا کہنا ہے کہ انسان دس بڑے امراض خبیثہ کا مجموعہ ہے، جس میں حب جاہ، حب مال، انانیت، حرص و ہوس، حسد، غیض و غضب اور لامحدود جنسی جذبات وغیرہ شامل ہیں، لیکن ان سارے امراض کا مجموعہ یا نچوڑ انانیت اور کبر کا مرض ہے، جو افراد اس ایک مرض کے شکار ہو جائیں، وہ گویا سارے امراض خبیثہ کے حامل ہو جاتے ہیں، یا ان کا جرم اتنا سنگین ہو جاتا ہے کہ ان کے لئے امراض خبیثہ سے بچاؤ، ان کے لئے اوصاف حمیدہ کی راہ ہموار کرنے میں مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ جس کے اندر ذرے برابر بھی تکبر ہے وہ

Marfat.com

جنت سے محروم ہی رہے گا۔

علامہ کی فکر کے حوالے سے ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا ریاست کے اداروں کی اصلاح یا حکومت اور سیاست کی تبدیلی، اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدوجہد اور معاشیات اور معاشی صورتحال کی بہتری یا شرو شیطان اور نفس پرستی کی خارجی اور داخلی قوتوں کے خلاف جدوجہد کا کام اس وقت تک نہ ہونا چاہئے، جب تک افراد کا تزکیہ مکمل طور پر نہ ہو جائے اور افراد درد محبت میں قابل ذکر مراحل طے نہ کریں۔ اس سلسلے میں اصل بات جس کی توضیح ہونا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ خارجی زندگی میں دینی جدوجہد کا کام جسے جدید دور کے بعض اسلامی مفکروں نے اپنی فکر کا حاصل قرار دیا ہے۔ یہ کام ایسا ہے جو دین کے نصب العینی تعلیمات کا مرکز و محور نہیں ہے۔ یہ دین کے دوسرے فرائض کی طرح ایک فریضہ ہے، اس فریضہ کی حیثیت ہنگامی حالات میں غیر معمولی بھی ہو سکتی ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آسکتا ہے کہ ملت کی بیشتر قوتیں اس کام میں صرف ہو جائیں۔ لیکن اسلامی تعلیمات کے سارے ذخیرے میں اور سلف صالحین کی ساری تحریروں میں اس کام کو دین کی نصب العینی اہمیت نہیں دی گئی، نصب العینی اہمیت کا واضح مطلب یہ ہے کہ بندگی کے زمرے میں شامل سارے کام اور ساری عبادتیں اخلاق و سیرت سازی کے سارے پروگرام ثانوی حیثیت کے حامل ہو جائیں۔ سیاست میں مضبوط سیاسی دینی جماعت کا ہونا وقت کی ضرورت ہے۔ لیکن اس طرح کی دینی سیاسی جماعت دین کے نصب العینی تعلیمات کا تقاضا نہیں، بلکہ ملت اسلامیہ کے بقا کے لئے اس کی ضرورت ہے، اس لئے اس کی اہمیت ہے، اس حیثیت سے جب دین کی جدوجہد کے دوسرے کام ہوں گے تو وہ دینی فریضے کی حیثیت سے ہوں گے، دین کے کلی، اصلی اور حقیقی کام کی قیمت پر نہیں ہوں گے، دوم یہ کہ اس کام میں توانائی اور حقیقی طاقت، حوصلہ ہمت اور استقامت بھی درد محبت، اور عبادت سے ہی حاصل ہو گا۔

اس نکتے کی توضیح کی ضرورت اس لئے ہوئی تا کہ جدوجہد کے اصل مرکزی نکتے اللہ

Marfat.com

کے ساتھ تعلق و محبت اور درد محبت اور اس کے مقتضاؤں کا شعور پیدا ہو اور قومی، ملکی اور عالمی سطح پر ایسے گروہ کی تیاری کا کام ہو، جو حقیقی محبوب سے محبت کے رازوں سے بھی آشنا ہو اور اس کی وجہ سے اسے جو قوت و توانائی حاصل ہو، اس قوت کو وہ برائی کی داخلی و عالمی قوتوں کے خلاف صف آرائی اور اسلام کو درپیش حقیقی خطرات کے مقابلے اور احیاء اسلام کی جدوجہد میں صرف کر سکے۔

زیر نظر مضامین کے مجموعہ کے بارے میں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ مضامین ڈاکٹر عبدالعزیز عمرانی صاحب نے ہماری درخواست پر علامہ کی انگریزی تقاریر جو کیسٹ میں محفوظ تھی، ان سے منتقل کر کے سندھی ترجمہ کیا ہے، یہ مضامین ماہانہ بیداری حیدر آباد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس تعاون کے لئے ہم ڈاکٹر موصوف کے از حد ممنون ہیں۔ اردو ترجمہ میں ہم نے کوشش کی ہے کہ علامہ کا پیغام اور مفہوم پوری طرح سامنے آئے، چنانچہ اس مقصد کے لئے ہم نے ترجمہ کی بجائے ترجمانی سے کام لیا ہے اور علامہ کے نکات کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲۳ ستمبر ۲۰۰۰ع — محمد موسیٰ بھٹو

Marfat.com

پبلک سرونٹ

تشریح اور اس کا تاریخی پس منظر

خواتین و حضرات! پچھلے ہفتے ہم گفتگو کر رہے تھے کہ ایک لفظ ہماری زندگی پر حکمرانی کر رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے وہ بھلایا نہ ہوگا۔ وہ 'P' کا لفظ ہے، جس کا اس دور میں زیادہ استعمال ہو رہا ہے۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس وقت ساری دنیا میں پاور یعنی اقتدار کی دوڑ ہے۔ یہ لفظ 'P' سے شروع ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پاور اور پاؤنڈ، پبلسٹی اور پبلک سرونٹ، پلیٹ، اور پاپولر یا غیر پاپولر ان الفاظ میں کسی نہ کسی طور 'P' کی حکمرانی ہے۔ ایسے الفاظ تیس سے پچاس تک ہو سکتے ہیں، جو زبان زد عام و خواص ہیں اور علمی اعتبار سے بھی وہ الفاظ ہماری زندگی پر حکمرانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

پہلے زمانے میں لوگ سوچا کرتے تھے کہ کچھ ستارے ہیں جو ہماری زندگی پر حکمرانی کرتے ہیں، 'اگر وہ لوگ اس سوچ میں حق بجانب ہوں کہ جیپٹر اور مارس ان کی زندگی پر قدرت رکھتے ہیں۔ تو ہم بھی اس میں حق بجانب ہیں کہ 'P' لفظ کو پر اسرار اور غیبی معنیٰ' کا حامل قرار دیں جو آج کل حکمرانی کر رہا ہے۔ یہاں تک پوپ اور پراسٹیٹنٹ، پوٹینشلٹی، اور پلازیسبلٹی، پرٹینشن اور پروپیکٹ اور پبلسٹی، کسی بھی طرف جاؤ، آپ کو 'P' حکمرانی کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ پوپس، پلیڈر اور پبلک سرونٹ وہ بھی اہم حیثیتوں کے حامل ہیں۔ لیکن موجودہ سوسائٹی میں ایک بات جو نہایت اہم ہے، لیکن بدقسمتی سے اس سے ہمارا تعلق کم ہو گیا ہے۔ وہ پرنسپل (اصول) ہیں،

Marfat.com

پرنسپل کا آغاز بھی 'P' سے ہوتا ہے۔ آج کی نشست میں ہم بالخصوص 'P' کا ذکر کریں گے۔ جس کا ہماری زندگی میں زیادہ عمل دخل ہو گیا ہے، پبلک سرونٹ ہمیں بظاہر نظر آرہا ہے، لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ کچھ صدیاں پہلے اس کا استعمال پبلک نکو سرونٹ کی صورت میں ہوتا تھا، یہ لفظ شروع سے مروج ہے، البتہ تیرہ سو سال پہلے نہ تو پبلک کا لفظ مستعمل تھا اور نہ ہی پبلک سرونٹ کا استعمال تھا۔ اب پبلک سرونٹ کو چھوڑ کر سرونٹ کو دیکھیں، ہم اسے آسانی سے تاریخ میں تلاش کر سکتے ہیں۔ اس زمانے میں بادشاہوں کے تو نوکر ہوتے تھے۔ لیکن 'عوام کے نوکر' جیسی کوئی اصطلاح موجود نہیں تھی۔ بادشاہ کون تھا؟ اس سلسلہ میں ہم کھتری کی مثال لیتے ہیں۔ برہمنوں کو ہم بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ درمیانی دور کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جب کھتری پاور میں تھے۔ کھتریوں کے دور میں بادشاہوں کے عجیب جنگی نام ہوتے تھے۔ انجیل جسے عیسائی مانتے ہیں۔ اس میں بھی بادشاہ کو اللہ کا مسح کرنے والا کہا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخت پر فائز ہوتا ہے۔ اس کے چھونے سے بیماری دور ہو جاتی ہے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ بادشاہ کون ہے اور وہ کیا کرتا ہے اور کس طرح زندگی گذارتا ہے، چاہے وہ بچہ ہو یا بوڑھا، لیکن وہ جب تک بادشاہ ہے، وہ ظل اللہ اور شہنشاہ ہے، وہ سب کچھ ہے۔ اسے سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔ وہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا۔ اور وہ اللہ کا مسح کرنے والا (Anointed of the lord) ہے۔ وہ سارے انسانوں سے بلند ہے۔ اور یہاں تک کہ نظام الملک اپنی تصنیف 'سیاست نامہ' میں لکھتا ہے کہ ان کے دور میں جب کوئی شخص بادشاہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے تو نماز کر دیعنی سجدہ کرتا ہے' یہ نظام الملک کے دور کی بات ہے۔ جب کہ نماز کا لفظ ہم عبادت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

Marfat.com

یہ بھی بادشاہت کا ایک رخ ہے اور بادشاہ کے نوکر ہوتے تھے، جو عوام پر حکمرانی کرتے تھے۔ ان دنوں عام لوگوں کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔

ہم نے یہاں چند ماہ پہلے انگلینڈ کے سماجی حالات کے بارے میں گفتگو کی تھی، ہم نے سرفس کے بارے میں کہا تھا کہ اس دور تک تقریباً سرفڈم جاری رہا ہے۔ روس میں سرفڈم میرے پیدا ہونے کے بعد بھی کافی وقت جاری تھا اور بولشیوک انقلاب کے بعد وہ عملاً ختم ہوا ہے۔ اس لئے یہ لفظ اتنا پرانا بھی نہیں ہے۔ تاریخ اتنی دور نہیں، جسے قریب سے نہ دیکھ سکیں کہ ماضی میں کیا ہوتا تھا، بادشاہ وہ تھا، جو غلطی سے مبرا تھا، اس کے پاس ملازموں اور خدام کی فوج تھی، اس وقت یہ تھی دنیا کی حالت۔ اس کے بعد تبدیلی کیسے آئی۔ اس کی بڑی تاریخ ہے جو قرآن، مسلمانوں اور رسول پاک ﷺ کی ذات سے شروع ہوتی ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تبدیل ہو گیا۔ اصطلاحات اور الفاظ سب تبدیل ہو گئے۔ عبادت کا لفظ استعمال ہوا۔ حضور سے پہلے پوری دنیا میں انسان کو خدا سمجھ کر پوجا جاتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ستاروں اور پتھروں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔ ایک دور ایسا بھی آیا کہ درختوں اور جانوروں کی بھی پوجا ہوتی تھی اور ایک مخصوص دور میں مصر میں دریائے نیل میں موجود مگرمچھوں کی بھی عبادت کی جاتی تھی اس لئے کہ یہ جانور انسانوں پر حملہ آور ہوتا تھا، جس کی وجہ سے اسے بُرا خدا تصور کیا جاتا تھا۔ مچھلیوں کی بھی عبادت کی جاتی تھی۔ مصر میں دیوکتھا میں اب تک مخصوص جانوروں کے سر موجود ہیں، جن کی عبادت کی جاتی تھی، جب تاروں پتھروں، درختوں، اور جانوروں کی پوجا کی جاتی تھی، پھر اگر انسان کی عبادت کی جائے تو اس پر متعجب نہیں ہونا چاہئے۔ انسان کی بادشاہ کے روپ میں بھی پوجا کی جاتی تھی، اس کے

76664

Marfat.com

بعد ایک ہستی آئی، جس نے کہا کہ یہ انسان کے لئے زیبا نہیں۔ عبادت کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے۔ اس ہستی نے کہا کہ میں تمہاری طرح ایک فرد ہوں، میں تمہاری صحیح تعلیم و تربیت کے لئے آیا ہوں، یہ ہستی حضور ﷺ کی تھی۔ جنہوں نے فرمایا 'انا بشر مثلکم'، میں تمہاری طرح انسان ہوں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ انسان سب ایک نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ تم میں کوئی شخص بھی رنگ، نسل اور قومیت کی وجہ سے افضل نہیں ہو سکتا۔ سب برابر ہیں۔ سب کی تخلیق ایک انسان سے ہوئی ہے۔ حضور ﷺ نے حالات میں اتنی تبدیلی پیدا کی کہ 'پوجا' کا لفظ ختم ہو گیا، اس کی جگہ عبادت کا لفظ مروج ہوا۔ جس کی معنی میں خدمت سرانجام دینا شامل ہے۔ انگریزوں، جرمنوں، اور فرانسیسیوں نے کلیساؤں میں پوجا کی بجائے 'خدمت' سروس لفظ کا استعمال کرنا شروع کیا، تم 'منشور' میں دیکھو گے، اس میں لکھا ہوا ہو گا کہ فلاں وقت پر چرچ میں سروس ادا کی جائے گی۔ پوجا کا لفظ عبادت میں تبدیل ہو گیا اور اس عظیم انسان نے فرمایا کہ میں صرف خدا کا بندہ اور رسول ہوں۔ تیرویں صدی کے آخر میں میں نے ایک انگریز سے اسلامی اقدار کے معیار کے بارے میں سنا۔ ایک انگریز نے کہا کہ مسلمان کی حیثیت بندوں کی ہے، جب کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ ظاہر ہے، تم اچانک پیدا ہو گئے ہو، لیکن تیرہ سو سال تک اس بات کو حقیر سمجھا گیا کہ اپنے آپ کو بندہ سمجھا جائے، تم بندے ہو اور بڑے مقصد کی خاطر پیدا کئے گئے ہو۔ پھر تمہیں مر جانا ہے۔

تمہیں معلوم نہیں کہ تم کس کے بیٹے ہو، اس لئے کہ تم کوئی چیز نہیں ہو۔ چند سالوں کے بعد تمہارا وجود تک نہیں ہو گا۔ چند سال یہاں کسی مقصد کے لئے آئے ہو۔

Marfat.com

قرآن شریف کہتا ہے کہ 'ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون' میں نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ ہر ایک کو ایک نصب العین کی خدمت بجا لانی ہے۔ دوسروں کی خدمت سرانجام دینی ہے، اس طرح آفاقی خدمت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اگر خدمت کا یہ عمل ایک دن کے لئے بھی رک جائے۔ یعنی سورج، تاروں، اور پانی کا عمل رک جائے (اور وہ خدمت سرانجام دینے سے باز آجائیں تو) تمہارا وجود ہی باقی نہ رہے۔ اس خدمت کی وجہ سے کائنات کی ہر چیز ایک مقصد کی تکمیل کرتی ہے۔ چاہے وہ چاند ہو یا سورج ہو وہ اور کچھ نہیں، صرف خادم ہیں، سورج چکر کاٹتا ہے، اس طرح وہ اپنی ذمہ داری پوری کرتا ہے۔ وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں ایک لمحہ بھی ضایع نہیں کرتا۔ اور وہ روزمرہ کا کام سرانجام دیتا رہتا ہے۔ سورج کو کافی وقت تک عظیم خدا کی حیثیت سے پوجا جاتا تھا۔ کبھی اپالو، کبھی سوریا، اور کئی ناموں سے اس کی تعریف کی جاتی تھی۔ سورج یقیناً تعریف کے لائق ہے۔ اس لئے کہ وہ خادم ہے۔

ابر و باد و ماہ و خورشید ہمہ در کارند\
تا تو نانی کہ بکف آری و غفلت نہ خوری

ہر چیز مشغول ہے اس لئے تاکہ انسان کی روٹی کے لئے سروس کی جائے، جب ہر چیز اپنی چھوٹی سے زندگی کی حفاظت کے لئے کھاتی پیتی ہے تو پھر انسان اس سلسلہ میں متفکر کیوں ہو، جب کہ وہ کائنات کی چیزوں کا مالک ہے، اسے بھی خدمت سرانجام دینی ہے۔ خدمت کے تصور کو ریگستان کی اس عظیم ہستی نے اتنا عام کر دیا کہ انگلینڈ کا ویلز شہزادہ جو خود کو خادم محسوس نہلواتے ہوئے شرم محسوس کرتا تھا اور انگلینڈ کے

Marfat.com

بادشاہ کے لئے یہ لفظ اجنبی تھا، اس نے بھی اپنے آپ کو خادم لکھنا شروع کیا۔ جب حضور ﷺ نے خود خدمت سرانجام دی اور اسے عام کیا تو اس سے انسان کے نئے اقدار کا آغاز ہوا، اس کے بعد بادشاہ نے محسوس کیا کہ میں خدمت سرانجام دوں، دوسری صورت میں میرے لئے لوگوں کے پیسے کا استعمال حرام ہوگا۔ ان دونوں میں تیسری کوئی صورت موجود نہیں، آخر بادشاہ کے پاس وہ سب کچھ کیوں ہونا چاہیے، اگر وہ خدمت سرانجام نہیں دیتا تو دولت اور اختیار ان کا استحقاق کیوں ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی تعلیم نے اس تصور کو اجاگر کیا۔ کام کرنا، خدمت سرانجام دینا، آج کل دنیا میں اسلام سے ضد کی وجہ سے اسلام کے برپا کردہ اس انقلاب کا اعتراف نہیں کیا جاتا اور عیسائی دنیا اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا اور ہمیں بندہ قرار دیتی ہے، لیکن درحقیقت وہ دل ہی دل میں سمجھتے ہیں کہ اس طرح وہ حق کا انکار کر کے جھوٹ بول رہے ہیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ جب کسی گونر کی اعلیٰ خدمت کے ادارے سے خط و کتابت ہوتی ہے تو وہ لکھتا ہے، آپ کا فرمانبردار خادم (Your obedient servant) اور گونر کو خط لکھنے والا بھی لکھتا ہے آپ کا فرمانبردار خادم۔ اب یہ فیشن ہوگیا ہے، جس کا آغاز تیرہ صدی پہلے ہوا تھا اور پہلی شخصیت جس نے یہ الفاظ استعمال کئے، وہ حضور ﷺ کے جانشین حضرت ابابکرؓ تھے۔

حضرت ابابکرؓ جب خلیفہ کی حیثیت سے منتخب ہوئے تو آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا: "یا ایھا الناس انی قد ولیت علیکم لست بخیر کم" تم نے مجھے اپنے معاملات کا ذمہ دار مقرر کیا ہے 'ولیت' یعنی جس طرح تم کسی شخص کو مسجد کا متولی کہتے ہو۔ فرمایا "لست بخیر کم" یعنی میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں۔ اس میں اس بات

Marfat.com

کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے مجھے اپنے معاملات اور مسائل کے حل کے لئے منتخب کیا ہے۔ لیکن میں تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں۔ اس طرح ظل اللہ اور بادشاہی کا خدائی حق ختم ہو گیا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ میں تمہارا منتظم ہوں اور کچھ نہیں۔ "فان رایتمونی علی الحق فاعینونی" اگر تم مجھے صحیح راہ پر دیکھو یعنی صحیح کام کرتے ہوئے حق پر گامزن ہوتے ہوئے دیکھو تو میرا ساتھ دو۔ لیکن اگر "رایتمونی علی باطل" مجھے غلط کام کرتے ہوئے دیکھو تو میری مخالفت کرو اور مجھے ایسا کرنے سے روکو۔

یہ وہ شخصیت تھی، جسے لوگوں نے ریگستان میں اپنی حکمرانی کے لئے ایک نئے قسم کا بادشاہ مقرر کیا تھا۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کوئی عظیم انسان، ظل اللہ یا شہنشاہ کہلوائے۔ وہ لوگوں سے کہتے ہیں: اگر میں صحیح کام کروں تو میری مدد کرو اور اگر غلط کام کروں تو میری مخالفت کرو، مزید فرماتے ہیں کہ میری اطاعت کرو، بشرطیکہ میں اللہ کی اطاعت کروں۔ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت نہ کریں۔ تمہارا طاقتور میرے نزدیک ضعیف ہے، جب تک میں اس سے حق نہ لوں، اگر کوئی تم میں سے اپنے آپ کو طاقتور سمجھتا ہے اور کمزور کو پریشان کرتا ہے تو وہ میرے نزدیک کمزور ہے، جب تک میں اس سے حق نہ لوں اور تم میں سے کمزور میرے لئے طاقتور ہے، جب تک میں اسے حق لے کر نہ دوں، جو اس سے چھینا گیا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی تقریر ختم کرتے ہیں۔ واستغفر اللہ ولکم۔

اب تم نے دیکھا کہ کس طرح ایک شخص عوام کے لئے نظام تشکیل دیتا ہے۔ اور کس طرح وہ ساری سوسائٹی کی نگہبانی کرتا ہے، ہمارے ہاں آج پولیس ہے، ان کے

Marfat.com

پاس پولیس نہیں تھی۔ یہ کام بھی وہ خود سرانجام دیتا ہے۔۔ دراصل وہ پہلا پبلک سرونٹ ہے جو پبلک کی خدمت سرانجام دیتا ہے اور وہ مسلسل اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ لوگوں کے مسائل حل ہو گئے۔ کسی شخص نے دوسرے پر ظلم تو روا نہیں رکھا۔ کسی طاقتور نے کسی کمزور کی حق تلفی تو نہیں کی۔

اس طرح ایک شخص کے تقرری کا ادارہ (Institution) وجود میں آیا۔ میں آپ کے سامنے امیر کا صحیح منظر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا، جب تم میں سے چار آدمی سفر پر جائیں تو ایک شخص کو اپنا امیر مقرر کریں۔ اس لئے کہ اگر وہ کسی مرحلہ پر کسی بھی معاملہ میں متفق نہ ہوں تو ایک شخص تو ایسا ہونا چاہئے جس کا فیصلہ قبول کیا جائے اور سفر جاری رکھا جائے۔ تو امیر سفر کے انتخاب کی غرض یہی ہے، مثلاً سفر میں تین شخص ہیں۔ ایک کہتا ہے مشرق کی طرف چلو، دوسرا کہتا ہے کہ نہیں مغرب کا راستہ اختیار کرو، اب کون سا راستہ اختیار کیا جائے، اس طرح کے معاملات میں فیصلہ کے لئے امیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ امیر کی اطاعت واجب ہے، دوسری صورت میں سفر میں مشکلات درپیش ہوں گی۔ اس لئے بہترین طریقہ یہ ہے، کسی بہتر شخص کو امیر منتخب کیا جائے، جس پر سب متفق ہوں اور اس کی اطاعت کی جائے۔ اکثر معاملات کے بارے میں یہی حکم ہے کہ ان مسائل کے حل کے لئے امیر کا ہونا ضروری ہے، جب کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو مختلف آرا سامنے آتی ہیں، کسی ایک رائے پر بھی اتفاق نہیں ہوتا، جس کا مطلب یہ ہے کہ جمود پیدا ہو گیا ہے اور سوسائٹی کی تنظیم متاثر ہے اور وہ غیر منظم ہے نیز وہ منقسم ہو گئی ہے اور اختلافات کا شکار ہو گئی ہے، اب اگر معاشرہ زندہ

Marfat.com

اور متحرک ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے اختلاف رائے اور معاملات کے سلجھاؤ کے لئے طریق کار واضح ہونا چاہئے، وہ طریقہ یہ ہے کہ ایک امیر مقرر کیا جائے۔ امیر کا انتخاب اکثریت رائے سے ہونا چاہئے، غرض کہ مشکلات سے نکلنے کا راستہ ہونا چاہئے۔

جمہوریت، امارت، امیر اور اکثریتی رائے یہ طریق کار ہیں تاکہ معاشرہ کو انتشار اور تفریق سے نکالا جاسکے۔ جب ہر شخص اپنی رائے کو درست سمجھنے لگے تو آخر فیصلہ کیسے ہوگا۔ اس کے لئے یہ طریق کار اختیار کیا گیا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مشکلات پیش آئے تو اپنے میں سے بہتر فرد کا انتخاب کرو، جس کے حکم کی سب تعمیل کریں۔

مہربانو! یہاں ایک نکتہ کی وضاحت ضروری ہے، قرآن میں 'امیر' لفظ کی معنیٰ ہے غالب ہونا، اس کی معنیٰ حکمرانی کرنا یا حکم چلانا نہیں ہے۔ جیسا کہ اسلامی دور سے پہلے ہوتا تھا۔ امر کی معنیٰ ہے تاکید کرنا۔ 'یامرون بالمعروف' کی معنیٰ ہے، صحیح کام کے لئے لوگوں کو تاکید کرنا، نیکی کی دعوت دینے اور تاکید کرنے کی ذمہ داری کسی خاص فرد، جماعت یا طبقہ کی نہیں بلکہ یہ سب کا فریضہ ہے اور ذمہ داری ہے کہ 'یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر' کرے۔ یعنی صحیح کام کے لئے کہا جائے اور غلط کام سے روکا جائے، یہ زور وزبردستی سے کرنے کا کام نہیں۔ خود حضور ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ 'لست علیھم بالجبار' تم ان کے لئے جبار کی حیثیت سے نہیں بھیجے گئے ہو۔ 'لست علیھم بمصیطر' ان پر داروغہ کی حیثیت سے نہیں بھیجے گئے ہو۔ 'لست علیھم بوکیل' تم ان پر نگہبان نہیں ہو۔ تم ان پر زبردستی نہیں کر سکتے، کلام الاہی میں ہے کہ اگر ہم جبراً لوگوں کو نیکی واطاعت کے راستے پر گامزن کرنا چاہتے تو ہم

Marfat.com

ایسا کر سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت کے لئے جبر کا طریقہ پسند نہیں۔ اس لئے انسان کو آزادی دی گئی ہے کہ وہ اپنی پسند سے اپنے لئے راستہ کا انتخاب کرے۔

انڈیا کے فیلسوف رابندر ناتھ ٹیگور کا کہنا ہے کہ میں خدا سے اس لئے محبت کرتا ہوں کہ اس نے مجھے آزادی دی ہے، اس نے مجھے یہاں تک آزادی دی ہے کہ اگر میں اس کی ذات سے بھی انکار کروں تو مجھے اس کی بھی آزادی حاصل ہے۔ کیا وہ مجھے مجبور نہیں کر سکتا تھا کہ میں ہر صورت میں اسے تسلیم کروں۔ جب ایک معمولی فرد طاقت کے زور سے مجھ سے سب کچھ منوا سکتا ہے تو پھر خدا اپنی ہستی کا اقرار و اعتراف کیوں نہیں کرا سکتا۔ کارلائل کہتا ہے، جب اس دنیا کے مرکز سے ایک ہستی آتی ہے اور کہتی ہے کہ جھک کر عبادت کرو تو میں جھک کر عبادت کرنے لگتا ہوں، کارلائل مزید کہتا ہے کہ ترکی کا سلطان جو لاکھوں ترکوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوج میں بھرتی ہوں، جب اس کے پاس ایک اجنبی عرب شخصیت کی آواز آتی ہے کہ میری اطاعت کرو! تو یہ حکمران اطاعت کرنے لگتا ہے، واضح ہو ترکی میں پہلے شہنشاہیت تھی، لوگوں نے اسلام اختیار کر کے اس پیغام پر عمل کیا۔ کارلائل اپنی کتاب 'پاسٹ اینڈ پریزنٹ' میں کہتا ہے کہ جب ایک عظیم ہستی آتی ہے تو ہمیں اس کی مخالفت کی ہمت نہیں ہوتی اور ہم اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔ قرآن میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا ہے کہ تم ان کے محافظ نہیں ہو۔ تمہارا کام حق کی تلقین کرنا ہے۔

قرآن کی ایک آیت ہے 'واذا رئوك ان يتخذونك الا اهزوا. اهذا الذی بعث الله رسولا۔ جب بھی کوئی نبی حق و صداقت کی دعوت کے لئے آیا ہے تو لوگوں نے اس کی تکذیب کی ہے، نبی کو قوم کی طرف سے کہا گیا ہے، تمہیں عقل نہیں، تم

Marfat.com

مجنون ہو، ہمیں دھوکہ دیتے ہو۔ تم ہمارے جیسے ہی انسان ہو، اس کے جواب میں رسول کہتا ہے۔

'وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب العالمین.

یہاں حضرت شعیب علیہ السلام لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں میں تمہیں ہدایت کی نعمت سے سرفراز کرنے آیا ہوں، میں تم سے دنیا کا یا پیسوں کا مطالبہ نہیں کرتا، میں تم سے اس کے اجر کا بھی طالب نہیں۔ میرا اجر تو اس ذات پر ہے، جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اس کے جواب میں قوم کہتی ہے، 'قالو انما انت من المسحرین' پھر کہا جاتا ہے کہ 'وماانت الا بشر مثلنا' یہ ہم جیسا انسان ہے اور عام آدمی سے بہتر نہیں۔ 'وان نظنك لمن الكذبين' ہمیں یقین ہے کہ تم جھوٹے ہو، قوم کی طرف سے یہی جواب ملتا ہے۔ مسلسل ایسا ہوتا رہتا ہے۔ جب بگاڑ کی درستگی کے لئے ایک مصلح آتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ سب کچھ درست ہے، اس شخص کا عقل چل گیا ہے۔ اس کا دماغ درست نہیں، لیکن وقت بتاتا ہے کہ کس کا دماغ صحیح نہیں تھا۔ یہاں سوال یہ نہیں کہ دماغ کس کا صحیح نہیں ہے، آج کی ہماری گفتگو اس موضوع پر نہیں۔ پبلک سرونٹ کے موضوع پر ہے۔ ہم نے عبد سے گفتگو شروع کی تھی اور بتایا تھا کہ عبد کا لفظ موجود ہی نہیں تھا۔ سروس اور نوکری کا رواج ہی نہیں تھا۔ خدمت کو حقیر کام سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں خدمت عظیم کام ہو گیا۔ کلیساؤں میں عبادت کو سروس کہا گیا۔ مسلمان مسجد میں عبادت سروس کے لئے جاتا ہے۔ چنانچہ سروس کی اصطلاح پچھلی تیرہ صدیوں سے اتنی مروج ہو گئی ہے کہ وہ فیشن کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اور 'خادم' کا لفظ عزت کا حامل بن گیا ہے۔ کلام الٰہی میں ہے کہ کائنات کی ہر چیز عبد

Marfat.com

ہے۔ اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں، ساری کائنات خادم ہے اور وہ خدمت میں مصروف ہے۔ اور اپنے مخصوص اوقات میں وہ خدمت کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ جہاں تک پبلک سرونٹ کی بات ہے تو پہلے پبلک کو کوئی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ راجا اور بادشاہ اور اللہ کے ظل شمار کیے جاتے تھے۔ پبلک کی خدمت کو حقیر کام سمجھا جاتا تھا۔ امراء عوام کو جانوروں کے مثل شمار کرتے تھے، اب صورتحال یہ ہے کہ کم از کم دکھاوے کی حد تک ہی ملک کے صدر اور وزیراعظم تک یہ کہتے ہیں کہ ہم عوام کے خادم ہیں۔

ایک نوجوان نے مجھ سے دریافت کیا کہ وکالت کا پیشہ کیسے ہے، میں نے اسے جواب نہیں دیا اور وہ متذبذب رہا۔ وہ مجھ سے یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ وزیراعظم ہونا کیسے ہے۔ نیز پبلک سرونٹ ہونا کیسا ہے۔ کیا سپاہی ہونا بہتر نہیں ہے؟ یہ سارے خدمت کے کام ہیں، لیکن بدقسمتی سے آج کل پبلک سرونٹ، شہرت اور دولت سے شروع ہوتی ہے۔ اور خدمت کی بجائے پبلک کو لوٹنے، دولت کمانے اور بڑا بننے کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ سامعین سے درخواست کروں گا کہ وہ دیانتداری سے بتائیں کہ جب چھوٹے بچے کو ماں اسکول بیجھتی ہے تو اسے کیا کہتی ہے۔ کیا یہ نہیں کہتی کہ تم پڑھ کر ڈپٹی کلیکٹر ہو گے اور دولت کماؤ گے۔ اس طرح ہم بڑا گھر تعمیر کریں گے اور ساری چیزیں خریدیں گے۔ اس انداز فکر سے لڑکوں کو دنیا پرستی اور مادیت پر گامزن کرنے کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔

ایک صاحب نے میری تقریر سن کر کہا کہ ہم وفد کی صورت میں آپ کے پاس آئیں گے اور آپ سے دریافت کریں گے کہ کیا موجود دور میں اس طرح صاف زندگی

گذارنا ممکن ہے، جیسی آپ کہتے ہیں یا آپ کی باتیں محض تخیلات ہیں۔ وفد کی صورت میں ان کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ میں جو گفتگو کر رہا ہوں۔ وہ احمقانہ گفتگو ہے اور حالات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہیں اور یہ چیزیں موجودہ دور میں نا قابل عمل ہیں۔ اس وفد نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ عمل کا مقصد کیا ہے؟ پریکٹیکل کی معنیٰ ہے کر کے دکھانا۔ ان کے نزدیک عملا ممکن ہے سے مراد یہ ہے کہ دولت کمانا، لذت حاصل کرنا اور عیش عشرت کرنا، چونکہ یہ افراد معاشرہ کی عام روش ہے، اس لئے اس روش سے ہٹنا کس طرح ممکن ہے۔ (افسوس ہے کہ مقصد زندگی فراموش ہونے کی وجہ سے ممکن چیزیں ناممکن نظر آتی ہیں) اب جب کہ معاشرہ میں صاف اور پاکیزہ زندگی کی مثالیں نہ ہونے کے برابر ہیں تو ایسی صورتحال میں یہ بات واقعی عجیب لگ رہی ہے کہ میں مثالی عمل کا مطالبہ کر کے پہاڑ سے کیوں ٹکراتا ہوں؟

اس سے ایک بات جو ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں تصور یہ ہے کہ برائی سے بچنے اور نیکی پر گامزن ہونے کے لئے بہتر معاشرہ کا ہونا ضروری ہے۔ دوسری صورت میں برائی سے نہیں بچا جا سکتا (یہ معاشرہ کا وہ جبر ہے، جس سے افراد متاثر ہیں)

لیکن اس سلسلہ میں آپ کے سامنے ایک عورت کی مثال پیش کرتا ہوں، جسے امام غزالی نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے (یہ واقعہ معاشرہ کے جبر کے مقابلہ کا زندہ ثبوت ہے) امام صاحب لکھتے ہیں، جب بغداد کا معاشرہ زوال پذیر ہوا تو ایک عورت جو وہاں خوشحال زندگی گذار رہی تھی۔ وہ بغداد سے نکل کر ویران جنگل میں جا کر آباد ہوئی۔ اس کی عمر کوئی ستر اسی سال کے لگ بھگ تھی۔

اتفاق یہ ہوا کہ ایک شخص حج سے واپسی پر راستہ بھول گیا اور ایسے جنگل میں پہنچ

Marfat.com

گیا، جو ویران تھا، تیسرے دن اسے ایک جھونپڑے میں عورت نظر آئی، اس نے اس سے پانی مانگا۔ کہا کہ میں تین دن سے بھوکا اور پیاسا ہوں، خاتون نے اسے ڈول دیا اور اشارہ کر کے کہا کہ فلاں جگہ کنواں ہے، وہاں سے پانی نکال کر پیئو۔ اس نے جب کنواں دیکھا تو وہ خراب حالت میں تھا اور پانی بھی بدبودار تھا۔ اس نے پانی لا کر خاتون کو دکھایا۔ عورت نے کہا کہ یہاں یہی پانی ہے۔ میں بھی یہی پانی پیتی ہوں۔ بالآخر اس نے پیاس بجھانے کے لئے پانی کے دو تین گھونٹ پی لیے۔ اسی طرح جب اس نے خاتون سے روٹی کے لئے کہا تو اس نے کہا کہ لکڑی لو، اور اس وادی میں جا کر ایک دو سانپ مار کر لاؤ۔ میں تمہیں پکا کر دوں گی، اسے کھا لینا، اس نے کہا سانپ کھانا کس طرح ممکن ہے۔ عورت نے کہا، میرے پاس کھانے کے لئے یہی کچھ ہے۔ وہ شخص کچھ مذبذب ہو گیا، چنانچہ بوڑھی خاتون اس کے ہمراہ ہوئی اور وادی میں جا کر وہاں اس شخص سے سانپ مروائے۔ آخر میں اس شخص نے عورت سے پوچھا کہ تم یہاں ویرانے میں کیوں رہ رہی ہو۔ نیز بغداد یہاں سے کتنا دور ہے۔ خاتون نے کہا کہ بغداد دو تین گھنٹے کا فاصلہ ہے۔ مسافر نے کہا، جب بغداد یہاں سے اتنا قریب ہے تو تم بغداد کے دریائے فرات کے پانی سے کیوں محروم ہو۔

خاتون نے کہا، ایسا نظام جس میں روزانہ کوتوال آ کر میرا دروازہ کھٹکھٹائے اور ٹیکس کا مطالبہ کرے، اور جس نظام میں جان مال اور عزت آبرو کا تحفظ نہ ہو، اس نظام میں حاصل سہولتوں سے بہتر یہ ہے کہ میں آزادانہ زندگی گذاروں، جس میں کھانے پینے کی سہولتیں حاصل نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن میری آزادی پر تو کوئی قدغن نہیں۔ میں اپنی اس زندگی کو بغداد کی پابند زنجیر زندگی پر ترجیح دیتی ہوں۔

Marfat.com

امام غزالی کہتے ہیں اگر انسان آزاد زندگی گذارنا چاہے تو وہ قربانی کی اس حد تک جاسکتا ہے۔ اس زمانے میں غزالی کو کہا گیا کہ وہ کالج کے پرنسپال کے عہدے پر فائز ہو جائیں، لیکن انہوں نے بالکل انکار کر دیا۔

امام غزالی نے تو یہ تک کہا ہے کہ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جائز نہیں، جس میں حکومت کی طرف سے چراغ کے لئے تیل کا انتظام ہوتا ہو، اس لئے کہ جن پیسوں سے تیل خریدا جاتا ہے وہ حرام اور ناجائز پیسے ہیں اور غیر قانونی طور پر حاصل کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ امام غزالی حکومت سے بے نیاز ہو کر آزاد زندگی گذارنا چاہ رہے تھے، حالانکہ سلطان اور اس کے وزیر اسے ہر عہدہ دینے کے لئے تیار تھے، لیکن انہوں نے اسے قبول نہیں کیا، اس سلسلہ میں کتنا اچھا شعر کہا گیا ہے:

گرت ہوا است کہ باخضر ہمنشین باش
یاز چشم سکندر چو آب حیوان باش

خضر (جو راستے کی رہبری کرنے والا ہے) اگر تم اس کے قریب آکر بیٹھنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں اپنے کو سکندر کی نظروں سے بچانا چاہئے، بالکل اس طرح جس طرح آب حیوان لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ سکندر آب حیوان حاصل کرنا چاہتا تھا، لیکن وہ حاصل نہ کر سکا۔ اگرچہ خضر نے اس کی رہنمائی کی، لیکن جب اسے آب حیوان حاصل ہوا تو وہ پی نہ سکا، اس طرح وہ آب حیات سے محروم رہا۔ حافظ کہتے ہیں کہ سکندر کی نظروں سے محفوظ ہو، جس طرح آب حیات ہے، دوسری صورت میں تمہیں رہنمائی کی امید نہیں رکھنی چاہئے، ایسی زندگی جس میں تم دربار میں جاتے ہو،

Marfat.com

حکمرانوں کی خوشامد کرتے ہو اور انہیں اپنا ان داتا سمجھتے ہو تو اس صورت میں تمہیں صحیح راہ کی نشاندہی کرنے والے خضر کی معیت کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ بادشاہ اور حکمرانوں کی قربت کی آرزو بھی ہو اور صراط مستقیم کی تمنا بھی، تو یہ مشکل ہے۔ فرد کو ان ساری چیزوں (زنجیروں) سے آزاد ہونا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے اور دوسروں کی غلامی سے آزاد رہ سکے۔ ہمارے دین میں اکراہ نہیں ہے 'ہر مرد اور عورت ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ "مامریدا ئیم خدا خدا رهبر ماست" اس طرح اکراہ اور جبر کو ختم کیا گیا اور سماج تشکیل دیا گیا، جو ایک نظام کا پابند ہے، جس میں اختلاف اور زور زبردستی نہ ہوگی۔ اس میں ہر شخص کو آزادی حاصل ہوگی۔ ہر شخص اپنی مرضی سے خدا کی عبادت کرے گا، آج کل کم از کم ایک امریکی بظاہر اس عہد نامہ کا اعتراف واقرار کرتا ہے، یہ منشور بالکل اس الکتاب اور نبی علیہ السلام کی تعلیمات کا عکس ہے۔ جسے ہم نے بالکل فراموش کر دیا ہے۔ انسانی آزادی کا یہ منشور الکتاب سے پہلے موجود ہی نہیں تھا اور فطرت بھی اس بات کی متقاضی تھی کہ اس منشور کو اس سے پہلے ظاہر نہیں ہونا چاہئے تھا، کیونکہ انسان بتدریج ارتقا کر رہا ہے، جو چیز بچپن میں ممکن نہیں ہوتی، وہ بلوغت کے بعد ممکن ہوتی ہے۔ اب انسان آزاد ہے جیسا کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے آزادی دی ہے، یہاں تک کہ اسے خدا کے وجود کے اقرار و عدم اقرار کی بھی آزادی حاصل ہے، اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ 'لا کراہ فی الدین' (لیکن آزادی سے فائدہ اٹھا کر حق کی تلاش کا سفر جاری ہونا چاہئے)۔

مہربان دوستو! یہ زندگی کا صحیح راستہ ہے، اسے چھوڑا نہیں جا سکتا۔ یہ بنیادی فریضہ ہے۔ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر' ہمارا 'بر سولا بلاغ باشد

Marfat.com

دلیل' سے واسطہ ہے۔ تم سے زبردستی نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ایمان اور عقیدہ کا تعلق دل سے ہے۔ ذہن آزاد ہے، اسے کنٹرول نہیں کیا جاسکتا۔ انسان اپنی مرضی سے سوچتا ہے۔ فرد ہمارے سامنے کہہ سکتا ہے کہ میں یقین کرتا ہوں، لیکن اس طرح جبر سے اقرار کرنے کا کیا فائدہ ہوگا۔ اس لئے انسان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں آزاد خطے میں آزاد لوگوں کی تشکیل کرنی ہے، ہر شخص کو اللہ کی عبادت کی آزادی حاصل ہو، لیکن اس آزادی کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف کا حکم بھی ہے۔ جب اس طرح کی سوسائٹی متشکل ہوگی تو اس معاشرہ کو ہی قرآنی اور اسلامی معاشرہ کہا جاسکے گا۔ اس طرح کی سوسائٹی کو فطرت اور قانون کی فطرت کے میلاپ والی سوسائٹی کہا جاسکتا ہے۔ اس منزل کے حصول کے لئے راستے اور ذرائع تلاش کرنے پڑیں گے۔ یہ ذرائع محدود نہیں۔ خصوصی صلاحیتوں کے حامل افراد کے لئے خاص ذرائع اختیار کرنا ضروری ہیں۔ اصل مقصد قرآن کے بنیادی اصولوں پر عمل پیرا ہونا ہے۔

ہم پبلک سرونٹ کے موضوع سے کچھ ہٹ گئے ہیں۔ پبلک سرونٹ کو عوام کی خدمت کا فریضہ سرانجام دینا ہے، اسے صاف ذہن سے یہ کام کرنا ہے کہ میں ان اصولوں اور مقاصد کے مطابق سوسائٹی میں انصاف قائم کروں۔ کمزور کو طاقتور بنا دوں۔ کمزور اور بے بس عورت کو سہارا دیا جائے اور غریب کو اتنا تحفظ حاصل ہو کہ کسی ظالم و طاقتور کو اسے ستانے کا حوصلہ نہ ہو سکے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کمزور میری نظر میں اس وقت تک طاقتور ہے، جب تک میں اسے اس کا غصب شدہ حق نہ دلا دوں، تم میں سے طاقتور میرے لئے کمزور ہے، جب تک میں اس سے وہ کچھ حاصل کروں، جو اس نے کمزور سے جبراً چھینا ہے۔ اس حد تک قانون کی بالادستی ہو۔ یہ پبلک

Marfat.com

سرونٹ کے کرنے کا کام ہے۔ انہیں اس کا معاوضہ ملتا ہے۔ میں نے اس دن کہا تھا کہ خاندانی نظام کے بارے میں دنیا اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ہمارے ہاں اب صرف خاندانی نظام باقی رہا ہے، اس میں حکم اور اطاعت کا تصور ختم ہو گیا ہے۔ حکمرانی پرانے تصور کے تحت نہیں بلکہ اس تصور کے تحت جس کے مطابق خاندانی معاملات چلائے جاتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے خاص اصول کی ضرورت ہوتی ہے۔ پولیس کے فرائض بھی بجا لائے جاتے ہیں تاکہ طاقتور کمزور کی حق تلفی نہ کر سکے۔ قرآن کی فلاحی اسٹیٹ وہ ہے جس میں کوئی ضرورت مند باقی نہ ہو۔ کوئی شخص کسی کا غلام نہ ہو۔ اگر لڑکا چھوٹے بچے کو مارتا ہے تو یہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ گھر میں ضابطہ رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ بڑا لڑکا چھوٹے بچوں کو مارے، آج اس طرح کے ماحول کو پولیس اسٹیٹ کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف فلاحی ریاست کا مطلب یعنی ضرورت مندوں، بیماروں، محتاجوں اور بھوکوں کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ جب یہ سارے تقاضے پورے ہوتے ہیں تو مسلمانوں کا سیاسی یونٹ وجود میں آتا ہے۔ اگر یہ ذمہ داریاں ادا نہ ہوں یا کوئی شعبہ بھی اپنے فرائض ادا نہ کرے تو کچھ نہیں ہوتا۔

یہ ہے پبلک سرونٹ کا تصور! لیکن آج ہمارے پبلک سرونٹ کون ہیں؟ پولیس کا کردار کیا ہے۔ پلیڈر کیا کر رہا ہے؟ وہ کس طرح کوشش کر رہا ہے کہ لوگوں کو انصاف نہ ملے۔ ہماری پولیس کمزور پر حکمرانی کرنے کا ذریعہ ہے۔ پبلک سرونٹ نے ملک و قوم کی جو درگت بنائی ہے، وہ قابل رحم ہے، ہماری حالت یہ ہے کہ ہم دنیا کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہیں رہے۔ ہماری حالت حیوانوں کی طرح ہو گئی ہے۔ یہ شرم کی بات ہے کہ ہم اپنا چہرہ اپنے آپ کو ہی نہیں دکھا سکتے۔ چوری، دھوکہ دہی، فریب، لالچ

کون سی برائی ہے، جو ہمارے پبلک سرونٹ میں موجود نہ ہو۔

پبلک کا خادم (پبلک سرونٹ) کا لفظ کہاں سے شروع ہوا تھا۔ کس شخصیت نے ہمیں یہ خوبصورت اور عمدہ لفظ دیا۔ جس میں حکمرانی کا تصور غائب ہے۔ کوئی ظل الٰہی نہیں ہے۔ اس شخصیت نے کہا کہ اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ تم نے مجھے اپنے معاملات کا منتظم مقرر کیا ہے، میں جب غلطی کروں تو تم میری مدد نہ کرو، ہم اسی امیر المؤمنین کے نام لیوا ہیں اور اسلام کے دعویدار ہیں، کیا ہم نے ایسا دستور تشکیل دیا ہے، جس طرح کے ذریعہ قرآن کا فرمان غالب اور جاری ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اپنی تعلیمات پر عمل کریں تو ہم دنیا میں سرخرو ہو سکتے ہیں بلکہ میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں، جس نے مجھے پیدا کیا ہے کہ اسلام پر عمل ۔ نتیجہ میں ساری دنیا ہمارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گی۔

وہ جدید دنیا جس نے پبلک سرونٹ جیسے تصورات اسلام اور مسلمانوں سے لئے، انہوں نے احسان فراموشی کی ہے، اس میں امریکی، جرمنی، فرینچ اور انگریز وغیرہ سب شامل ہیں۔ انہوں نے انسانیت پر اسلام کے احسانات کو نظر انداز کر کے حقائق کو چھپانے اور غلط تاریخ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جنہوں نے انہیں روشنی دی، انہیں مغرب نے اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی۔ اب تک وہ اس پالیسی پر گامزن ہیں۔ اگر ہم اپنے مقام کو جانتے ہوتے تو آج ہماری حالت بہت مختلف ہوتی۔ ہم علوم و فنون میں ماہر ہوتے۔ حق و صداقت کے زندہ نمونہ ہوتے۔ ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔

پریمیئر، پریزیڈنٹ، پولیس، پبلک سرونٹ، پبلسٹی، پروپیگنڈہ یہ سب 'P' کے

Marfat.com

الفاظ ہیں۔ لیکن وہ پرنسپل (اصولوں) سے خالی ہیں۔ میں آپ کو شیکسپیئر کی کتاب 'رچرڈ دی سیکنڈ' کی چند سطور سناتا ہوں۔ جس میں دو قاتل 'ضمیر' کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، وہ قاتل ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس ضمیر کو دیس نکالا دینا چاہئے۔ ضمیر احمق چیز ہے، جو ہمیں کوئی کام کرنے نہیں دیتا۔

حضرات! آج کا عنوان پبلک سرونٹ تھا۔ کوشش کر کے اپنے کو پبلک سرونٹ بنائیں۔ تمہیں اس بات کا بھی ادراک ہونا چاہئے کہ وہ کون سی شخصیت تھی، جس نے ہمیں اللہ اور کائنات کے سرونٹ کا راستہ دکھایا۔ کیا اللہ کا خادم اور غلام ہونا، یہ کوئی معمولی اعزاز ہے؟

کیا یہ تمہارے لئے چھوٹا اعزاز ہے! نہیں! اللہ تعالیٰ کا خادم عباداللہ ہونا بہت بڑی بات ہے، جسے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ خان بہادر جیسا نہیں۔ یہ اس سے بالکل مختلف اعزاز ہے، جب حقیقی طور پر اس اعزاز کے مستحق ہو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کی معنی کیا ہے۔ خان بہادر، سی آئی اے یا کے سی آئی جیسے بادشاہی القاب عوام سے دھوکہ دہی کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن عباداللہ کا لقب عوام کی خدمت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہئے، یہ بڑی بددیانتی کی بات ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو فراموش کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہ ایک منٹ میں لاکھوں چیزیں پیدا کر سکتا ہے۔ 'اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون' جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز بنانے پر آتا ہے، تو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہی طاقت جسے خدا بھی کہتے ہیں۔ تم نے کبھی فلکیات کے نظام پر سوچا ہے کہ تمہارے اوپر کتنا عظیم نظام قائم ہے۔ قریب سے قریب ستارہ بھی چار لائیٹ ییئرس دور ہے۔

Marfat.com

لائیٹ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے۔ اب حساب لگائیے کہ یہ ستارہ کتنا دور ہے اور اس سے بہت عظیم کائنات اور کائنات کی خالق ہستی کے بارے میں سوچو جسے ہم اللہ کہتے ہیں۔

خان بہادر، کی، سی، آئی وغیرہ اس عظیم ہستی کے خادم ہونے سے زیادہ اہم نہیں۔ اس کے بارے میں ہمیں خلوت میں تفکر کرنا چاہئے اور اللہ کی عظمت و جلال اور اس کی طاقت کا بھی مراقبہ کرنا چاہئے۔

Marfat.com

نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا پس منظر و پیش منظر

مغل دور کے علمی پہلوؤں کے حوالے سے

خواتین و حضرات! آپ لوگ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ڈاکٹر خان نے مغلوں کے علمی پہلو کے موضوع پر عالمانہ تقریر کی۔ بات یہ نہیں کہ مسلمانوں کا یہی دور اچھا رہا ہے، بلکہ یہ تو صرف مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ کا ایک حصہ ہے، جو بہت پہلے شروع ہوا تھا۔ ہندستان میں اس کا ثمر زیادہ تر مغلوں کے دور میں ہی حاصل ہوا۔ جس طرح یورپ میں 'نشاۃ ثانیہ' کے دور میں علمی ترقی ہوئی، یورپ کی 'نشاۃ ثانیہ' ہندستان کی نشاۃ ثانیہ سے مشابہت رکھتی ہے، جو چیز یورپ میں رونما ہوئی، وہ ہندستان میں بھی رونما ہوئی۔ لیکن اس کی تاریخ ہے کہ یہ کیسے ہوا انسانی ذہن ہزار سالوں کے بعد نیند سے کیسے بیدار ہوا یہ سارا علمی جمال کیسے وجود میں آیا اور کیسے تخلیق ہوا؟ یہ تاریخ زیادہ دلچسپ ہے، اس ایک باب کے مقابلے میں، جس کا یہاں ذکر ہوا۔ ہر جگہ ایک ہی حقیقت دہرائی جاتی ہے کہ حضور ﷺ ظہور پذیر ہوئے ہیں، یہی آواز ہم مشرق اور مغرب میں سنتے ہیں، ہر درخت ہر پتہ ہر گلی اور ہر گھر میں یہی آواز ہے کہ محمد ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔ پھر کیا ہوا؟ پہلی حقیقت یہ ہے کہ جب احمقانہ عقائد کی اصلاح ہوتی ہے تو روشنی کا پَر تو نظر آتا ہے۔ اس کا مظاہرہ یورپ کے چھوٹے سے خطہ میں ہوا، اسپین اور دوسرے علاقوں میں جاکر دیکھو کہ عربوں کی شاعری اور علمی موضوعات پر لئبر یریوں میں ہزاروں کتابیں ملیں گی۔ اسپین کی دوسری اچھی چیزوں کو

Marfat.com

چاہے فراموش کرو، برطانیہ پر نظر کرو، جہاں ایک داڑھی سے مزین شخص نمودار ہوا، جسے اصلاحات کا ستارہ کہا گیا اس کا نام وائیکلف (Wyekliff) ہے، آپ دیکھیں گے کہ وہاں بھی عربی آواز پہنچ جاتی ہے۔ وائیکلف نے مذہبی اصلاحات کی، جہاں دو ہزار سال سے توہم پرستی اور غرض پرستی کو مذہب میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کے بعد پروٹیسٹنٹ آتا ہے، جو مذہب کے خلاف لکھے ہوئے کتابوں پر احتجاج کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پندرہ سو سال بعد نئی زندگی جنم لیتی ہے۔ پروٹیسٹنٹ کے ظہور کے بعد یورپ میں نیا علم اور ادب وجود میں آتا ہے، وہی علامت ہندستان میں بھی ظاہر ہوئی، یہاں نانک کبیر پیدا ہوا، جس نے ہندو مذہب میں اصلاح کی صورت پیدا کی۔ علم ادب اور شاعری کے لئے تحریک شروع ہوئی، شاعری شروع ہوئی، لیکن ایسے نہیں، جیسے دوسرے ملکوں میں ہوتی ہے، شاعر 'میں' اور 'تم' میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ وہ ایک حقیقی آرٹسٹ کی حیثیت میں سامنے آتا ہے، جہاں بھی خوبصورتی دیکھتا ہے، اسے حاصل کرتا ہے، چونکہ اسے کلمہ حکمت سکھایا گیا ہے، جو ایک مسلمان کا امتیاز ہے، اس لئے اگر وہ ہندستان میں بھی کہیں خوبصورتی دیکھتا ہے تو وہ اسے حاصل کرتا ہے۔ وہ ہندوؤں کو، کم حیثیت کا حامل اور جانور نہیں سمجھتا۔ وہ ہندستان میں اس ذہنیت سے نہیں آیا، جس ذہنیت سے برطانوی یا دوسرا کوئی آیا، وہ صرف اللہ کی دھرتی اور مخلوق کو دیکھتا ہے اسے ایک مسلمان کی آواز آتی ہے۔

بنی آدم اعضاء یک دیگر اند
کہ در آفرینش یک جوہر ند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دیگر عضوہا را نہ ماند قرار

Marfat.com

انسان اور انسانیت کی حیثیت جسم کے اعضا کی مثل ہے، اس لئے جب جسم کے ایک عضوہ کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔

خواتین و حضرات! اب میں فیصلہ تم پر چھوڑتا ہوں کہ آپ دیکھیں کہ جدید آزادی کا چارٹر جو اس حقیقت کے قریب ہے کہ جب جسم کا ایک عضوہ تکلیف میں ہو تو سارا جسم درد محسوس کرتا ہے۔ یہ تصور ایران کے ایک مسلمان نے سات سو سال پہلے پیش کیا تھا۔ ایران وہ ملک ہے جس کے مذہب میں یہ تصور موجود تھا کہ اہل فارس (اہل ایران) کا خدا فقط اہل فارس کے لئے ہے، غیر فارسی اس خدائی تصور میں شامل نہیں ہو سکتا۔ بالآخر اسی ملک میں حضور صلعم کی آواز پہنچتی ہے اور حالات تبدیل ہو جاتے ہیں اور وحدت انسانیت کا تصور پیش ہوتا ہے اور ساری دنیا کی انسانیت ایک جسم کی مانند ہو جاتی ہے، اس تبدیلی کا اثر مشرق و مغرب میں از خود پہونچ جاتا ہے، جو مغرب میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور مشرق میں ہندستان کی نشاۃ ثانیہ کہلائی گئی، اس نشاۃ ثانیہ کا اتنا ذکر ہوا ہے کہ اس سے شاعری بھری ہوئی ہے۔ درباری شاعر (Laurate) محمود غزنوی کے دربار سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یورپ میں کیا ہے؟ الیزبیٹ پہلی خاتون تھی، جس نے اپنے [illegible] مقرر کیا۔ [illegible] سے پہلے یورپ میں درباری شاعری موجود نہیں تھی، اس [illegible] دونوں براعظم مشرق اور مغرب میں ایک ہی پیام سامنے آتا ہے، جو زندگی کو مکمل تبدیل کر دیتا ہے، یہ تاریخ ہزاروں سالوں کے علم، جمال اور گیتوں کی تاریخ ہے۔ جس کا صرف ایک باب ڈاکٹر خان صاحب نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔

پہلی کتاب جو تیسری صدی میں لکھی گئی، وہ 'پدماوت' کے نام سے ہے، جو میر

Marfat.com

محمد نے اودھ شہر میں لکھی۔ اس کے بعد دکھن میں 'کام سے کام روپ' کے نام سے کتاب لکھی گئی، مسلمان مصنفوں نے ہندی کہانیاں مثلاً سسی پنھوں۔ سورٹھ، مومل رانہ، جیسی کہانیاں لکھیں۔ لطیف نے ان کہانیوں کو جمالیاتی نقطہ نظر سے بلاامتیاز کے گایا ہے، اس طرح اگر کوئی پہلی کتاب کسی اہمیت کی حامل ہے تو وہ "پدماوت" ہے اس کے بعد 'کام سے کام روپ' ہے اسی طرح ہندستان کے علم و ادب کی تاریخ اس طرح شروع ہوتی ہے اور ہندو فن کار حقیقتوں کے بارے میں مسلمان شاعروں کے ابیات کو گاتے تھے۔ یہاں تک کہ اسلامی روح نے ان پر ایسا اثر کیا کہ بنگال کے بڑے مصنف نے نیا مذہب پیدا کیا، جس میں جدید تصور پیش کیا گیا۔ وہ برہمو ازم ہے، راجا رام موہن رائے کا نام آپ نے سنا ہوگا، ان کی پہلی بہترین کتاب کون سی ہے؟ کیا اس کا نام پدماوت یا اس سے ملتا جلتا نام ہے۔ بلکہ اسے تحفۃ الموحدین کا نام دیا گیا ہے۔

مسلمانوں نے یہی جذبہ پیدا کیا کہ انسانیت ایک ہے، انھوں نے وہی کہا، جس پر خود عمل کیا، مسلمان موجودہ امریکی یا انگریز قوم پرستوں کی طرح نہیں تھے، جو انسانیت اور آزادی کے بارے میں بلند دعوے کرتے ہیں۔

مغلوں کے دربار میں یہی ہوا ہے، یہ صرف اکبر بادشاہ کے دربار کی بات نہیں، اس کے بارے میں ہمارے ہاں غلط تاثر ہے کہ وہاں بیربل اور ملا فیضی ساتھ رہے ہیں، یہ پرانی کہانی ہے، جو خلیفہ مامون کے تخت پر بیٹھنے سے پہلے کی ہے۔ مسلمانوں کے لئے (انسانیت کے پیام کی) بات کوئی نئی بات نہیں۔ انھوں نے اس پیام کو اپنایا۔ ان کے لئے ہندو، عیسائی یا یہودی، چینی یا جاپانی کے درمیان کوئی تفریق نہیں تھی، انسان کی حیثیت سے وہ تکریم کے لائق ہیں۔

انسان انسان ہے اور وہ اللہ کی مخلوق ہے، یہ تھا وہ جذبہ، جو مسلمانوں نے پیدا کیا۔ میں آپ کے سامنے ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں، آپ نے مغلوں کے بارے میں سنا ہوگا کہ ان کے دور کی یہ خاصیت رہی ہے کہ دنیا بھر میں ہزاروں سالوں سے اب تک کوئی حکمران خاندان ایسا نہیں تھا، جس میں اتنے مصنف اور شاعر پیدا ہوئے ہوں، جتنے اس شاہی خاندان میں پیدا ہوئے ہیں۔ ایسا نہیں تھا کہ محض دربار شاعروں سے بھری ہوئی تھی، بلکہ وہ خود بھی مصنف اور شاعر تھے، اس کے بعد ایسا ہوا کہ ہر راجا اور شہزادہ نے اپنی دربار میں شاعر رکھے اور بعد میں یہ بھی ہوا کہ مہاراجہ اور نواب صاحبان سے ان شاعروں کی شاعری منسوب ہونے لگی، لیکن یہ بعد کے دور کی خرابی ہے۔ مغلوں کا دور اس سے محفوظ ہے۔ میں ایسا کیوں کہتا ہوں؟ اس لئے کہ مصنف کا کردار اس کی تخلیق میں موجود ہوتا ہے، اس کی تخلیق کو نقلی نہیں کہا جاسکتا۔

آپ نور جہاں کی مثال لیں، جس نے مرنے سے کچھ پہلے آخری شعر کہا ہے:

بر مزار ے ما غریباں نے چراغ و نے گلی
نی پرے پروانہ سوزد نی صدائے بلبلی

یہ شعر ایسا ہے جو نور جہاں ہی کہہ سکتی ہے، دوسرے شاعر کے لیے ایسے شعر کا ورود محال ہے۔ کیونکہ نور جہاں کی فطرت اس میں پوری طرح کار فرما ہے۔ شاہی خاندان کی عورت جو ہار سینگار کی دلدادہ تھی، وہ اپنی مزار پر بھی پھول اور چراغ دیکھنا چاہتی ہے۔ ایک عورت جس نے دنیا میں عطر ایجاد کیا (یاد ہو کہ نور جہاں سے پہلے عطر ایجاد نہیں ہوا تھا) ایک عورت جسے خوشبو پسند تھی، شاعری پسند تھی، جسے خوبصورت چیزوں سے والہانہ محبت تھی، وہی خاتون اس طرح کا شعر کہہ سکتی ہے، اس کے لئے

Marfat.com

دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ نور جہاں ہی کا شعر ہے، کوئی دوسرا شاعر یہ شعر نہیں کہہ سکتا، آپ نے دیوان مخفی کے بارے میں سنا ہوگا، جو دراصل مخفی نہیں لکھا گیا ہے۔ بلکہ ایک خاتون نے لکھا ہے، جو اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی، اس لئے اگر تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو تو میرے شعر کو دیکھو۔

در سخن پنہاں شدم مانند بو در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا۔

یہی مخفی کی فطرت ہے۔۔۔ ان مخفی میں ایسے سیکڑوں اشعار ہیں، جو ایک عورت کے کہے ہوئے ہیں۔ اب وہ دوسری زبانوں، انگریزی، فرینچ وغیرہ میں بھی ترجمے ہوئے ہیں۔ میں نے اس سلسلہ کے زیادہ تر اشعار پڑھے ہیں۔ ان اشعار میں واضح علامات موجود ہیں، یہ عورت ہی کی تخلیق ہیں، وہ خاتون زیب النساء تھی، جس نے موت سے پہلے نور جہاں کے بالکل برعکس اشعار کہے ہیں، ان کی آخری سطریں یہ ہیں۔

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

اس کی تخلیق مخفی شخصیت سے ہی ہو سکتی ہے۔ یہ خاتون بلند مرتبے کی خاتون ہو سکتی ہے۔ جس نے اس طرح کے اشعار تخلیق کیے ہیں۔ مغلوں کا آخری حکمران ظفر جس کا انتقال دکھوں اور غموں کے حالات میں ہوا، اس کی دربار میں اچھے شاعر تھے، لیکن ظفر کی ایک سطر اے ظفر اس دور میں چالیس دن مہندی لگانا منع ہے، ایسا شعر ہے جو دوسرا نہیں کہہ سکتا۔ پھر وہ ہندی زبان میں ہندستان کے ایک عام آدمی کی طرح گلی میں بیٹھ کر یہ شعر گاتا ہے۔

Marfat.com

لکڑی جل کر کوئلہ بنی کوئلہ جل کر راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بنی نہ راکھ
جگر تو جل چکا پیارے اب تن کی باری ہے۔

اس کی ایسی طبیعت کہ وہ بازار کا سیلانی فقیر بن جاتا ہے، یہ سب دکھوں کا اثر ہے، اور ایسا شعر بہادر شاہ ظفر ہی کہہ سکتا ہے کسی دوسرے کے لیے ممکن نہیں۔ اس لئے یہ مغل دور کی خاصیت ہے کہ انہوں نے شاعر پیدا کیے، ماہر سے لیکر بہادر شاہ ظفر تک (اور شاعری آرٹ اور نفاست کی شہہ رگ ہے) اس اعتبار سے مغلوں کا دور حکومت جو انسانی تاریخ میں بے مثال دور ہے۔ میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایک یا دو بادشاہ یا ایک یا دو خاتون میں یہ رنگ ہو سکتا ہے، لیکن مرد اور عورتیں شاعر ہوں، یہ نظر نہیں آتا، تاریخ میں کہیں بھی اس حقیقت کے بارے میں تحریر نہیں ہے، اس لئے سارا مغل خاندان غیر معمولی بادشاہوں پر مشتمل گذرا ہے۔ ایلزبیٹ نے کچھ شاعر اپنے پاس جمع کیے ہیں۔ اور اس نے غزنوی اور بابر کی نقل کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن وہ خود اور اس کا خاندان شعر کی صلاحیت سے محروم تھے، انہیں یہ تک ادراک نہیں تھا کہ شاعری کیا ہے۔ انہوں نے مسلمان حکمرانوں کے نقل کرنے کی کوشش کی، انہوں نے اب کہیں جاکر یہ مقام حاصل کیا ہے اور میری دو سطروں کی تحقیق اللہ کے فضل سے مجمع البحرین اور دارہ شکوہ کی کتاب کے مطالعہ سے حاصل ہوئی ہے۔ اگرچہ قرآن شریف کی سطروں کا صحیح معنیٰ معلوم نہ ہو سکا تھا، لیکن ان دو سطروں نے قرآن شریف کا مفہوم بالکل واضح کر دیا ہے۔ دارا شکوہ کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ لیکن وہ مغل خاندان کا ذہن تھا، جو

Marfat.com

سندھ میں آخری دور میں آیا ہے، جس طرح یورپ کی نشاۃ ثانیہ برطانیہ میں دیر سے پہنچی ہے۔ شیکسپیئر آخری زمانے کی پیدائش ہے۔ اسی طرح سندھ میں نشاۃ ثانیہ اکبر بادشاہ سے کافی بعد میں ہوئی ہے، بیداری کے آخر میں یہاں لطیف پیدا ہوا ہے۔ ایک دوسرا شاعر بھی ہے، جسے ہم قانع کہتے ہیں جو تحفۃ الکرام کا مصنف ہے، ان کی کتاب مسلمان طلبہ کے لئے سولہ سالوں سے پڑھتا رہا ہوں، آپ یہاں آجکل جن زندہ شخصیتوں کے بارے میں مقالے پڑھ رہے ہیں، وہ ایسے ہیں، جسے ایک طالب علم نے چھوٹے سے کاغذ پر لکھے ہیں، میں نے ایک استاد سے کہا کہ وہ سید علی شیر قانع کے نتیجہ افکار کے لئے درج ذیل سطور دیکھیں:

بروئے زمین عکس وی افتاد چمن شد
از گرمی غیرت عرق کرد سمن شد۔
ہی خواستہ دل گیری من جاہ انسی
غم ہائی جہان جمع شدہ خاک وطن شد

میری دل شکستگی کسی کے حصول کے لئے تھی۔ غم ہائے جہاں جمع شد خاک وطن شد، مسلمانوں کا وطن سارا جہاں ہے، کوئی ایک جگہ نہیں ہے، پھر ساری دنیا کے ہی دکھ کیوں نہ جمع ہو جائیں اور وہ تمھارا وطن ہو۔ وہ کہتے ہیں۔

افسوس کہ اندر چمن دھر بصد سال
ہر قامت گل جانی برید نہ کفن شد
لیلا بہ عرب گشتہ ودر ہندو من شد

مزید کہتے ہیں۔

یکہ جلوہ بیر نگئی او جلوہ گرفتہ

جب ایک چیز کامل ہے تو وہ ایک جلوہ نظر آتی ہے پھر کیا ہوا۔

لیلا بہ عرب گشتہ ود رہند دمن شد

کیا تم میں کسی کو معلوم ہے کہ دمن کیا ہے؟ تم نے شاید ہندی دمینتی نام نہیں سنا ہے، بھلا یہ کیوں معلوم کیا جائے کہ کالیداس نے کیا لکھا تھا؟ لیکن ٹھٹھہ کی یہ شخصیت دمینتی سے اچھی طرح واقف ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح عرب میں لیلیٰ مشہور ہے اسی طرح ہندستان میں دمن مشہور ہے۔ ان دونوں میں فرق ہی کیا ہے۔ بس یہ بے رنگی کا وہی جلوہ ہے، جب وہ ظہور پذیر ہوا، تو عرب کی سرزمین میں لیلیٰ کی صورت میں ظاہر ہوا اور ہندستان میں دمن کی صورت میں نمودار ہوا۔ وہ وحدت الوجود کا تصور پیش کرتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ انسانیت ایک ہے

دامی زیئی صد دل خلق تنیند

در ہر روئی گشتہ دو در در شکن شد

اس کی آخری سطر پھر وحدت الوجود کی طرف اشارہ کرتی ہے،

قانع در کثرت چوزدہ وحدت دانش

در بصرہ حسن شد بہ یمن اویس قرن شد

جب قانع، خدا کی وحدت کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کے عمدہ اظہار کی رسائی کہاں تک پہنچتی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ بصرہ میں حسن اس کی نمائندگی کرتا ہے تو یمن میں اویس قرنی کی صورت میں نمائندگی ہوتی ہے۔ تمہیں بیسویں صدی میں بھی

Marfat.com

ادراک نہیں کہ وحدت کا اظہار کس طرح ہو رہا ہے، حسن بصری، اویس قرنی اور لیلیٰ اور دمن کچھ نہیں ہیں، صرف ایک صورت ہیں، وہ کس بات کے مظہر ہیں، وہ کس ذات کی علامت ہے۔ ان کے وجود کی معنیٰ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں شاعر اپنی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کیا ہے، اویس ہو یا حسن، رومی ہو، یا حافظ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کے لئے نتیجہ خیز بات یہ ہے کہ خدائی رنگ کا کسی نہ کسی طرح اظہار ہوا ہے۔

بہر حال ٹیکنک سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک علاقہ میں ایک شخص لیلا کو جانتا ہے تو دوسرے علاقہ میں دمن سے آشنا ہے۔ انسانی تصور اس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، جو اس کی استطاعت میں ہے۔ اب اصل حقیقت کی طرف آیئے۔ انسان کی شناخت یہ ہے کہ وہ کس حقیقت کے لئے قائم رہتا ہے، اسے بازو، اور ٹانگیں، آنکھیں اور کان ہیں۔ لیکن یہ کس چیز کی نمائندگی کرتے ہیں، انسان جو خیال اور تصور پیش کرتا ہے، کیا وہ اہمیت کے لائق ہے؟ نیز وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو اظہار خیال کرتا ہے، کیا اس طرح خدائی موجود ہے یا یہ محض ایک سوچ ہے، اسی طرح دمن، لیلا، اویس اور حسن وغیرہ کی اصل اہمیت نہیں، بلکہ جس چیز کا انہوں نے اظہار کیا ہے، اصل اہمیت کے لائق چیز وہی ہے۔

اب یہ تصور ٹیکنک کے اعتبار سے مثالی ہے، جہاں دنیا کی ساری چیزوں کی تشکیل ہوئی ہے۔ تمہیں اس شعر کے حاصل تک پہونچنے کے لئے کئی سال لگ جائیں گے جو شعر تم نے پڑھا ہے، وہ اس چھوٹے سے شہر ٹھٹھہ میں تخلیق ہوا ہے، جہاں

Marfat.com

جا کر تمہیں یہ شعر یا شخصیت نظر نہیں آئے گی، لیکن وہ قبرستان نظر آئے گا جہاں لاکھوں انسان مدفون ہیں، اس وقت ٹھٹھہ کی اہمیت زندہ لوگوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان افراد کی وجہ سے ہے جو مر چکے ہیں، لیکن در حقیقت وہ ہستیاں مردہ نہیں ہیں، بلکہ زندہ ہیں۔ وہ اپنی تالیفات کے ذریعہ اب بھی گفتگو کر رہے ہیں۔ قانع ٹھٹھوی کے علاوہ دوسری شخصیتیں بھی ہیں، جنہوں نے عربی زبان کی ڈکشنریاں لکھی ہیں۔ سب ٹھٹھے اور گجرات کے تھے، وہ گجرات، جوناگڑھ اور دوسرے مقامات پر گئے اور جہاں بھی گئے، اپنے ساتھ علم کی نئی دنیا لے کر گئے۔ میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ اسلامی آواز جو مکے کے ریگستان سے شروع ہوئی اور جاری ہوئی۔ جب نشاۃ ثانیہ کی یہ آواز سندھ کے ریگستان میں پہونچی اور یہ شخصتیں پیدا ہوئیں۔ اس کے بعد ہی مغلوں کے دربار میں اس طرح کے مباحث زیر بحث ہوئے، جس میں تلسیداس، راماس، اور میریداس اور ہندستان کا سارا علم و ادب اجاگر ہوا، جو پندرہ سو سال سے مدفون تھا، یہی کچھ یورپ میں ہوا جہاں شیکسپیئر اور چاسر (Chausar) پیدا ہوئے۔ لیکن حضور ﷺ کے پیغام کو چاسر اور تلسیداس نے براہ راست پیش کیا، لیکن در حقیقت یہی ریگستانی آواز تھی، جس نے مشرق و مغرب میں زندگی کی لہر پیدا کی اور اس سے دنیا کے روشن دماغ انسان متاثر ہوئے، اس نشاۃ ثانیہ کے ایک باب کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے تقریر کی، لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس باب کی بڑی خاصیت ہے، وہ شخصیتیں جن کا ذکر کیا گیا ہے، وہ سب شاہی خاندان سے وابستہ تھے، جو ہر قسم کی آسائشوں سے متمتع تھے، ڈاکٹر خان نے جہانگیر کے بارے میں بتایا کہ وہ شراب پیتا تھا، یہ صحیح ہے، لیکن ہو سکتا ہے کہ

Marfat.com

'کلید ہ می کدہ گم گشتہ بود پیدا شد' وہ شراب میں اتنا گرفتار نہ ہو، جس سے اس کا انصاف متاثر ہو، آپ نے وہ قصہ سنا ہوگا کہ جب گدھے کی زنجیر کی آواز آتی تھی تو جہانگیر اس آواز کو سن لیتا تھا، اس لئے پینے پلانے کی اس کمزوری نے اس کے انصاف اور شاعری کو متاثر نہیں کیا۔ اس نے تزک جہانگیری جیسی کتاب لکھی۔ مسٹر خان کچھ بھی کہیں، لیکن دنیا کی تاریخ میں ایک ہی شاہی خاندان میں اس طرح کی باصلاحیت شخصیتیں نہیں ملیں گی، پانچ ہزار سالہ تاریخ اس طرح کے باصلاحیت اور علم وادب کے ذوق کے حامل شاہی خاندان کا مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اب آئیں، یہ دیکھیں کہ مغل کون تھے، یہ وہی ترک تھے جنہوں نے بغداد کی خلافت کو ختم کیا، یہ وہی لوگ تھے جنہیں کتابوں سے نفرت تھی، جب بغداد کو تباہ کیا گیا تو دریائے فرات دو چیزوں سے لبریز ہو گئی، ایک انسانی خون سے دوم مسلمانوں کی لکھی گئی کتابوں کی سیاہی سے جو دریا میں پھینکی گئی تھی۔ مسلمانوں کی اصل پونجی یہی کچھ تھی، جسے ترکوں نے دریا کی نذر کر دیا، انہوں نے ان کتابوں کو جلایا نہیں، جیسا کہ اسپین والوں نے کیا، اسپین کے عیسائیوں نے سوچا کہ ان کو ضایع نہیں کرنا چاہیے، بلکہ جلانے کے کام میں لانا چاہیے۔ ان کو اقتصادیات سے دلچسپی تھی، اس لئے انہوں نے کتابوں سے جلانے کا کام لیا۔

یہ تاریخی واقعات ہیں، میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، لیکن یہی ترک منگول تھے جو منگولیا سے آئے تھے۔ مغل اصل میں منگولین ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ منگولیا کون سا ملک ہے، آج بھی منگول ہمیں ڈراتے ہیں۔ یہ وہی بابر اور جہانگیر تھے لیکن ان کے اندر

Marfat.com

یہ جوہری تبدیلی کیسے آئی۔ اس بارے میں میں کیا کہوں، کہا جاتا ہے کہ یہ تبدیلی اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کی خصوصی نظر سے برپا ہوئی ہے۔ ایک اہل اللہ کی کوششوں سے منگول مسلمان ہوئے (جو ایک تاریخی حقیقت ہے، مترجم) اس طرح کا انقلاب کیمیائی دان کے ہاتھوں سے ہی برپا ہوتا ہے۔ اس طرح منگولوں نے (علم وادب اور اسلامیت کے فروغ کے لئے) بنیادی کردار ادا کیا، وہ بہترین مصنف شاعر اور پھولوں سے محبت کرنے والے ثابت ہوئے۔ یہ تبدیلی بظاہر سمجھ سے باہر ہے، لیکن یہ زندہ ثبوت ہے، یہ منگولین کی وہ مٹی ہے، جو چمکدار سونے کے مثل ہوگئی، کل ۲۴ شہزادے تھے جو ایک دوسرے سے بڑے مصنف ہوگئے، انہوں نے کئی کتابیں لکھیں، جو آج اگرچہ دیکھنے میں نظر نہیں آتیں، اس دور میں ان شاہی خاندان کے افراد نے صرف کتابیں ہی نہیں لکھیں، بلکہ انہوں نے اہل کتاب کی قدردانی بھی کی، ایک دن ابو الفضل ایک چھوٹی سی کتاب اکبر کے دربار میں لے آئے اور کہا کہ یہ بہترین کتاب ہے، جو نئی تخلیق ہوئی ہے۔ اکبر نے ان سے کتاب لی، اکبر پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ (اس کا سبب جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہے کہ خاص سیاسی حالات تھے، جس کی وجہ سے اسے پڑھنے کا موقعہ نہ مل سکا مترجم)۔ لیکن ابو الفضل نے کہا کہ اس میں اس طرح کا مواد موجود ہے، وہاں مجلس میں موجود افراد حیران ہوئے کہ کتنی خوبصورت اور معلومات سے لبریز کتاب ہے، اکبر کو اس پر کوئی تعجب نہیں ہوا، اس لئے کہ ان کے پاس پہلے سے اس طرح کی کتابیں موجود تھیں۔ کون سی کتاب دکھائی گئی تھی۔ ایم اے کے طلبہ نے یہ کتاب ضرور پڑھی ہوگی، لیکن انہوں نے اسے سمجھا نہیں ہوگا، یہ کتاب 'اخلاق جلالی'

Marfat.com

کے نام سے ہے، ابوالفضل نے پہلی بار فقیر جلال الدین کی کتاب اکبر بادشاہ کو دکھائی تھی، جو اس وقت تحریر کی گئی تھی، اس کا مترجم اٹھارویں صدی میں اہل یورپ سے کہتا ہے کہ کیا تم دو صدی کے بعد اس طرح کی کتاب لکھ کر دکھا سکتے ہو؟ وہ انہیں چیلنج کرتا ہے۔ یورپ کا اپنا ایک نمائندہ فرد جو بنگال میں آئی سی ایس تھا، وہ یورپین سے کہتا ہے کہ اب مہربان منصف بن جاؤ، اب ہم مسلمانوں کے سیاسی مخالف نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ بیچارے پسماندگی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ان کی ساری حکومت اور وسائل تمہارے پاس ہیں، اب انصاف کرو کہ کیا تم نے دو صدی بعد بھی کوئی جلال الدین جیسی کتاب لکھی ہے۔ بدقسمتی سے مترجم نے ان کے اہم حصوں کو چھوڑ دیا ہے، یہ کتاب اخلاقیات، اور سیاسیات سے شروع ہو کر موسیقی پر ختم ہوتی ہے اور یہ اتنی مشکل کتاب ہے کہ جدید علوم کا ماہر فرد بھی جرئت کر کے یہ نہیں کہہ سکے گا کہ میں نے اسے مکمل سمجھا ہے، چنانچہ کچھ افراد کتاب سے کچھ باب نکال دیتے ہیں، گویا کہ ان کا وجود ہی نہیں تھا، یہ 'اخلاق جلالی' جو ایک مسلمان نے اس دور میں لکھی تھی اور ایسی سینکڑوں کتابیں اور لکھیں گئیں اور اس طرح کی بہت ساری کتابیں مسلمانوں نے اس سے پہلے بھی لکھی تھیں، جن میں غور و فکر کا سامان موجود ہے۔ مثال کے طور پر الکندی کے مقابلے میں "اخلاق جلالی" کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں! یا غزالی کی کوئی بھی مکمل کتاب جس میں ان کی بھرپور ذہنی کاوش موجود ہے؟۔ لیکن یہ کتابیں فقیر جلال الدین کی کتاب سے بہت پہلے کی ہیں۔ ہمارے وہ لوگ جو مذہب اور تاریخ سے نابلد ہیں تو وہ 'نل' اور 'دیمتی' سے کیا آشنا ہوں گے، انہیں آخر کس طرح سمجھایا جا سکتا ہے۔ حقیقت کے ادراک کے

بغیر الفاظ جہالت کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

ایک شخص تاج محل دیکھنا چاہتا ہے؟ پچھلے دنوں میں نے ایک مضمون پڑھا تھا کہ تاج محل کس نے بنایا؟ اس میں غلط باتیں لکھی گئیں تھیں کہ فلاں نے تاج محل بنایا، میں نے اس موضوع پر ۳۰ سال پہلے ۱۹۲۰ع میں لندن میں ایک لیکچر دیا تھا کہ میرے لئے تاج محل سچی محبت کے باب کے علاوہ کچھ نہیں، وہ ایک پھول کی طرح ہے، ایک گلاب کے پھول کی بڑی مکھڑی کے پاس دو چھوٹی مکھڑیاں موجود ہیں۔ یہ گلاب کے پھول مجھے کہتے ہیں کہ یہاں محبت کے راز کا سماں ہے۔ محبت کا راز جو شاہجہاں، ممتاز بیگم کی موت کی وجہ سے چھوڑ گیا ہے، کیونکہ اس نے اس کو حاصل کیا تھا۔ اس کا پہلا نام جہاں آرا تھا اور اس نے شاہ جہاں کو بتایا کہ 'بادشاہ جہان آرا جہان بکار آید' جب وہ مینابازار گیا، جہاں سے وہ ہیرے کے مثل چھوٹی چیزیں خرید رہا تھا کہ جہاں آرا نے اس کو ایک چیز ہیرے کے طور پر دی اور کہا بادشاہ جہاں آرا جہان بکار آید' پھر اس نے شاہ جہاں سے شادی کی، یہ جہاں آرا ممتاز محل ہے، جس کے لئے تاج محل بنا۔ لیکن وہ فقط شاہ جہاں کے پیار کا تصور ہے، جو اب تک راز بنا ہوا ہے، اب تم تاج محل دیکھنے جاؤ تو دیکھو گے کہ ایک بڑا گنبد جس کے قریب دو چھوٹے گنبد ہیں، جو بالکل پھولوں کی مکھڑی کے مثل ہیں۔ وہ پھولوں کی طرح نازک ہیں، اگرچہ بہت وزنی ہیں، یہی کچھ مجھے دیکھنے میں آتا ہے۔

اب تک معلوم کیا جارہا ہے کہ تاج محل کس نے بنایا ہے، میں ان کو کہتا ہوں کہ آنکھوں نے بنایا، کیا آپ کو آنکھیں ہیں؟ اگر ایسی ۲۰ تاریخیں لکھی جائیں تب بھی اندھے

Marfat.com

رہو گے اور اس کو نہیں دیکھ سکو گے۔ اگر تم خود نہیں دیکھ سکتے کہ اسے کس نے بنایا ہے تو کیا دنیا میں ایسی دوسری تاج محل موجود ہے، اگر نہیں ہے یہ آخر کس بات کا اظہار ہے، جس کا دوسری جگہ اظہار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ بے مثال عمارت ہے، دوسری صورت میں اس میں کیا ہے؟ فقط سنگ مرمر کا ایک چھوٹا قبرستان ہے، یہ ایسی عمارت ہے جس میں تم رہ نہیں سکتے۔

بس لوگ یہی سمجھتے ہیں۔ جن کو نہ آنکھیں ہیں نہ دل و دماغ ہے، پھر وہ پڑھتے ہیں اور گپ شپ جاری رکھتے ہیں اور ہمارے لئے لکھتے ہیں کہ نابین انسان! یہ اس طرح ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ بات صحیح ہے۔ ہم عقل اور آنکھوں سے کام نہیں لیتے، ہم وہ ضرور پڑھتے ہیں لیکن یہ باب اس عربستان کے عظیم انسان کی آواز ہے، جس سے ۱۴ سو سال سے یہ دنیا میں علم کی روشنی کی شعائیں ہیں اور نشاۃ ثانیہ کی تحریک ہے، جو ابھرتی رہتی ہے۔

Marfat.com

حقیقت یہ ہے کہ آرین نسل قوموں کی یہ روایت رہی ہے، چاہے وہ ہندستان، ایران، یونان یا رومی نسل کے آریا ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ برہموں سے بہت پہلے کی روایت تھی کہ ساری قوم میں تعلیم کا حق خاص طبقوں پادریوں اور جنگ جو افراد کو حاصل تھا۔ یہ روایت اب تک قائم ہے۔ رومن کیتھولک فرقے کے عیسائی اب تک یہ کہتے ہیں کہ فادرس اور پیٹرس ہی بائیبل کو سمجھ سکتے ہیں اور عام لوگوں کو وہی کچھ کرنا ہے، جو انہیں حکم دیا جائے، اس لئے رومن کیتھولک پادری فادر ہے اور عوام ایک روبوٹ کے مثل ہے۔ اس روایت کو برقرار رکھنے والے بہت تھے، برطانیہ میں پچھلی صدی کے آخر میں تعلیم لازم کی گئی، جرمنی میں فریڈرک نے بہت کوشش کی کہ حضور ﷺ کے حکم طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم و مسلمة پر عمل کیا جائے ایک صدی پہلے انگریز کو بھی حضور ﷺ کے اس حکم پر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ برطانیہ میں لازمی تعلیم کے تصور کو دوسری عالمگیر جنگ کے بعد قابل تعریف قرار دیا گیا، جو قرآن کے پیروکاروں کو چودہ سو سال پہلے دیا گیا تھا۔ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ صرف جنرل اور کیپٹن کے لئے ہی تعلیم نہیں، بلکہ ہر سپاہی اور ہر شخص کے لئے تعلیم ضروری ہے کیونکہ دوران جنگ آخری مرحلے میں قوم کے ہر فرد کو اپنی بقا اور توازن کو قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہونا ہے (جو تعلیم کے بغیر محال ہے) اب تک ہم نے اس سے سبق حاصل نہیں کیا ہے اور اسی فریب میں مبتلا ہیں کہ خوشحالی کے لئے چند لوگوں کا تعلیم یافتہ ہونا کافی ہے۔ ہم نے تاریخ کے اس سبق کو فراموش کر دیا ہے کہ دوران جنگ ہر فرد اور عورت کا کردار رہتا ہے۔ اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے قابل نہیں تو پوری قوم ختم ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

علمِ طبعی

اور اسلام میں اس کی اہمیت

خواتین و حضرات! اس قسم کے لیکچر آپ کے لئے نہیں ہیں۔ اس سال یہ لیکچر شروع ہونے میں دیر ہوئی ہے۔ یہ لیکچر کسی مقصد کے تحت منعقد کئے گئے ہیں، اگرچہ مجھے یہ مقصد راز میں رکھنا چاہئے تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کسی خاص مقصد سے ترتیب دیے گئے ہیں، ان کا مقصد ہے، انسانی فکر اور نصب العین کی درستگی۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پچھلی صدی میں علمی ترقی کے نام پر جو ترقی ہوئی ہے، وہ کوئی حقیقی علمی ترقی نہیں ہے، بلکہ خالی معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔ حالت یہ ہے کہ ایک شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کو دوسرے شعبے کے بارے میں کوئی معلومات نہیں۔ ساری دنیا کی حالت جنگلی بیلوں اور لندن کے باسیوں (Cocknoy) کی سی ہو گئی ہے۔ انگریز لندن میں رہنے والوں کو لندن کا باسی کہتے ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم نہیں کہ مرغ اذان دیتا ہے یا وہ آواز نکالتا ہے۔ لندن کے باسیوں کو گاؤں سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔ اس لئے انہیں مرغی کے بارے میں صیح علم نہیں۔ انہیں اہل دیہات کی فطرت کا بھی اندازہ نہیں۔

لندن کے باسی اہل دیہات کو (Yakel) کہتے ہیں، کیونکہ شہر میں داخل ہوتے وقت انہیں ہر چیز اجنبی محسوس ہوتی ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ ساری دنیا جنگلی بیلوں اور لندن کے باسیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اب دنیا شعبہ جاتی علوم میں تقسیم

Marfat.com

ہوگئی ہے اور اتنے شعبے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا اور ہر ایک شعبہ دوسرے شعبہ کے طرز فکر سے مختلف ہے۔ انجنیئر کی سوچ یہ ہے کہ کائنات ایک مشین کی طرح ہے، جو دو پیچوں اور چرخیوں (Pullies and screws) سے آسانی سے منظم کی جاسکتی ہے، اسی طرح ڈاکٹر کہتا ہے، دنیا کا سارا راز گلینڈ اور ہارمونس (Glands and Harmones) میں پوشیدہ ہے، اس سے زیادہ کسی حقیقت کی تلاش لاحاصل ہے۔ غرض کہ ہر شعبے کی یہی حالت ہے۔ اب اقتصادیات کے ماہر کو اہم حیثیت حاصل ہوگئی ہے، وہ کہتا ہے کہ دوسرے علوم وفنون غیر اہم ہیں، اصل مسئلہ معاشیات کا ہے اور روٹی کی تقسیم ہی انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ گذشتہ نصف صدی کے اقتصادی ماہرین صرف روٹی کی تقسیم کے مسئلہ پر توجہ صرف کررہے ہیں، وہ پیداوار کے بارے میں نہیں سوچتے، ان کا کہنا ہے کہ پیداوار کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے، جتنا تقسیم کا مسئلہ ہے۔ تقسیم کی بہتر صورت کیا ہو، غیر منصفانہ تقسیم کے مسئلہ نے ماہرین کو پریشان کردیا ہے۔ باقی دنیا میں کھانے پینے کی اشیا کی کمی نہیں ہے۔ ان کی نظر میں اصل مسئلہ وسائل کی بہتر اور مناسب تقسیم ہے۔

ماہرین اپنے اپنے شعبے کی بات کررہے ہیں۔ لیکن انسان کے بنیادی مسئلے یعنی اس کی تخلیق، مقصدِ زندگی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں سوچ اور فکر ختم ہوگئی ہے، ساری معلومات شعبوں تک محدود ہوگئی ہے، اس لئے ہم نے سارے شعبوں کے طلبہ کے لئے تقاریر کا سلسلہ شروع کیا ہے تاکہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں حقائق سن کر اس معلومات کو مجتمع کرکے فلسفیانہ طور پر سائنسی شعبوں کے بارے میں بہتر نتائج تک پہنچ سکیں۔ سائنسدانوں کا طریق کار یہ ہے کہ وہ اس سلسلے

Marfat.com

میں صرف مواد جمع کر کے فلسفیوں کو دے دیتے ہیں، جو بھر حال ایک بنیادی کام ہے، لیکن یہ کام فلاسفروں کا ہے، لیکن جب تک فلسفہ میں درک حاصل نہ ہو، اس سلسلے میں انہوں نے کافی تحقیقات کی ہے۔ لیکن وہ اب تک لاحاصل رہی ہے۔ اس لئے کہ ان حقائق کو صحیح ترتیب دے کر ان سے گہرے نتائج حاصل کرنا ضروری ہے، اس وقت تک علوم میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔

یورپ نے آٹھ سو سال پہلے اس حکم پر عمل شروع کیا اور اسے جاری رکھا۔ یہ حکم نہایت آسان الفاظ میں آیا 'سنریهم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسهم' ہم تمہیں عنقریب آسمانوں اور تمہارے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے 'فی الارض آیات للمؤمنین و فی انفسهم افلا تبصرون' زمین میں نشانیاں ہیں، جن کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ مطالعہ وہ کریں گے، جو صاحب ایمان ہیں اور صاحب عقل بھی۔ "افلا تبصرون" تم آخر ان نشانیوں کا مشاہدہ کیوں نہیں کرتے۔ اس طرح واضح احکام آئے۔ یہ عجیب و غریب کائنات اور اس میں دن رات کی تبدیلی، یہ ساری چیزیں انسان کے لئے فکر انگیز ہیں، اس طرح تعلیمات یکے بعد دیگرے آتی رہی۔ شاگردوں کو یہ سب کچھ سیکھنا ہے، مشاہدہ کرنا ہے اور حقائق کو جمع کر کے نتائج برآمد کرنے ہیں۔ اس طرح کی تحقیق اور حاصل نتائج کو تم آرٹس، فلسفہ یا کوئی بھی نام دے سکتے ہو، دراصل اس کے مختلف شعبے ہیں۔ میں نے تو فقط یہ تین سطریں پیش کی ہیں، لیکن یہاں تو سینکڑوں آیات ہیں، جن میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، یہ غور و فکر تقریباً ۱۲ صدیوں سے جاری ہے۔ مسلمانوں نے اسے شروع کیا، پھر یورپ بیدار ہوا، جس نے اسے جاری رکھا اور مسلمان سو گئے، جو اب تک سوئے ہوئے ہیں۔ اب تقریباً ۷۵ سالوں سے یہ

Marfat.com

شکایت پیدا ہوئی ہے کہ علم کے مرکز سے رشتہ ٹوٹ گیا ہے اور علوم جزوی شعبوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور ماہرین علوم کے شعبہ جاتی علم تک محدود ہو گئے ہیں، اس طرح علوم کے شعبے بے خبری کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

تقاریر کا یہ سلسلہ اس لئے شروع کیا گیا ہے کہ علم طبعی سے شروع کر کے علم الاھیات تک پہنچا جائے "فی الآفاق وفی انفسهم" نفس سے پہلے آفاق آتا ہے اس طرح علم طبّی، علم الاہیات سے پہلے آنا چاہیئے۔ میں نے شاگردوں کے سامنے یہ بات متعدد بار بیان کی ہے کہ میں الاھیات سے مطالعہ شروع کر کے کس طرح علم طبعی کی طرف واپس آیا۔ میں نے یہ سیکھا کہ مطالعہ پہلے الاہیات سے شروع نہیں کرنا چاہئے پہلے علم طبعی پڑھنا چاہئے، پھر الاھیات کی طرف بڑھنا چاہئے۔ یہ طلبہ کے لئے میرا بہترین مشورہ ہے کہ وہ اس طرح پڑھنا شروع کریں۔

چنانچہ آج ہم علم طبعی سے گفتگو شروع کرتے ہیں۔ علم طبعی میں بھی ہمارے پروفیسر صاحب نے معلوماتی موضوع منتخب کیا ہے، آج یہ موضوع سورج کے بارے میں ہے، جو ہمیں روشنی دیتا ہے۔ اب میں تمہارا وقت ضایع کئے بغیر پروفیسر صاحب کو دعوت دوں گا کہ وہ تقریر کریں۔

خواتین وحضرات! میں نے بہت دلچسپ لیکچر سنا، ہمارے مقرر نے تقریبا ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔ انہوں نے ہمارے سامنے ہزاروں سالوں کے انسانی تجربات اور مشاہدات بیان کئے۔ سورج کے بارے میں جمع کیا ہوا مواد بھی ہزار ہا سالوں کے مشاہدات و جستجو اور غور وفکر کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ دھرتی پر جو انرجی ہے، وہ سورج سے حاصل ہوئی ہے، یہ نہایت غور طلب بات ہے، آج بھی کوئی چیز ہے

Marfat.com

جسے سولر کانسٹنٹ (Solar constant) کہا جاتا ہے۔ جس کی معنیٰ ہے کہ دھرتی کا ہر مربع میٹر مسلسل ڈھائی ہارس پاور سورج سے حاصل کرتا ہے، سورج سے دھرتی کو کافی حرارت مل رہی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بچے کو خوراک پہنچائی جائے۔ ہمارے لئے یہ بات زیادہ اہم ہے کہ اگر دھرتی کو خوراک پہنچانے والا سورج غائب ہو جائے تو دھرتی ایک دن بھی قائم نہیں رہ سکے گی، سب سے پہلے سورج اپنی کشش اس کے محور میں قائم رکھتا ہے۔ دوسری صورت میں وہ آوارہ بچے کی طرح ہے، جسے یہ معلوم نہیں کہ کہاں جانا ہے۔ یہ سورج ہی ہے، جس نے اپنا محور مقرر کیا ہے، یوں کہنا بہتر ہوگا کہ لاٹھی اب تک باپ کے ہاتھ میں ہے، اسی طرح دھرتی اپنے وارث سورج کے گرد ایمانداری اور احترام سے طواف کرتی رہتی ہے اور حرارت حاصل کرتی رہتی ہے، یہ سب کچھ فرمانبرداری سے ہی ہو سکتا ہے، اس لئے سورج کی بڑی عمر سے مراد دھرتی کی عمر ہے۔

اس سے پہلے بھی بتایا ہے کہ تھرموڈائنامسٹ زندگی کے مکمل خاتمے کے بارے میں ضرور بتائیں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا، اس کا علم ہمیں نہیں، لیکن دھرتی کی زندگی کا مدار سورج پر ہے، جو رزق کے ساتھ زندگی دینے کا ذریعہ بھی ہے، یہ سائنس کی بات نہیں، بلکہ یہ عام بات ہے۔ ابتدائی دور کے لوگوں نے سورج اور دھرتی کی اس اہمیت کو محسوس کیا تھا، چنانچہ وہ سورج کو پوجنے لگے تھے، وہ سورج کو اپالو یا سوریا کہتے تھے، مصری خود کو سورج بنسیز اور چندر بنسیز کہلواتے تھے۔ سورج کے اس طرح کے درجنوں نام ہیں، جو ملتے ہیں۔ سیریا (شام) عراق، آسور، آہر مزد الفاظ کے بارے میں آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ سارے الفاظ سور یعنی سورج سے نکلے

Marfat.com

ہوئے ہیں، اس طرح ان الفاظ کا احترام کیا جاتا ہے۔ ان سے محبت کا تعلق رکھا جاتا ہے۔ لوگ اپنے ملکوں کے یہی نام رکھتے تھے اور اپنے نام اس طرح رکھتے تھے۔ ہر ایک سورج کا بیٹا کہلوانے میں فخر محسوس کرتا تھا، وہ جانتے تھے کہ یہ اہم چیز ہے، جس پر ہماری زندگی کا مدار ہے، جیسا کہ ہمارے عالم فاضل پروفیسر نے کہا کہ کائنات کی کوئی چیز سوئی ہوئی نہیں ہے، نہ ہی کوئی چیز خاموش ہے اور کوئی چیز مکمل بھی نہیں۔ ہمارا بزرگ (سورج) اب تک چیزیں بناتا رہتا ہے، جو مثبت طور سے مادہ توڑ کر ایک مادہ سے تبدیل ہو کر دوسرے مرکب مادہ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ حرارت کا یہ عمل مسلسل جاری ہے۔

اب ہم ایک دوسری چیز کے بارے میں بات کریں گے، جسے سورج کی چوٹی (Solar appex) کہتے ہیں، وہ سورج کی چوٹی کیا ہے، سورج کی چوٹی وہ ہے، جس کے گرد سورج گردش کر رہا ہے، ہم نے اسے تلاش کر لیا ہے، جسے سورج کی نوک کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس عظیم کائنات میں جس میں بہت سے ستارے اور کہکشاں اتنا دور ہیں کہ جنہیں ہماری آنکھیں دیکھ ہی نہیں سکتی۔ لیکن روشنی کے سالوں سے ان کا فاصلہ معلوم کیا جا سکتا ہے، جو ہو سکتا ہے کہ دھرتی سے چار ہزار سال کا فاصلہ ہو، اب روشنی والے سال کی معنیٰ کیا ہے، یہ پروفیسر صاحب نے بتایا کہ روشنی ۱۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے فاصلہ طے کرتی ہے۔ یہ روشنی ہم سے چار ہزار روشنی کے سال دور ہے۔ اب اس سے اندازہ لگائیں کہ وہ ہم سے کتنی دور ہے۔ کائنات میں کوئی چیز عجیب ہے، جس میں ایک کا تعلق دوسرے سے ہے، جس کا کچھ ذکر پروفیسر صاحب نے کیا۔ انہوں نے کشش اور کشش ثقل کا ذکر کیا، جس میں ہر چیز

تحرک میں کم ہے، البتہ مادہ کی تخلیق میں زیادہ مصروف ہے، جہاں مادہ کم ہوا، وہاں وہ ٹھوس مواد بننے لگتا ہے، اس لئے ایک طبقے سے دوسرے طبقے کے درمیان کوئی قوت کارفرما ہے، مثلاً انجنیئرنگ ورکشاپ میں مادہ چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو جاتا ہے اور پھر نیا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے، جو مادہ دھرتی پر ہے، وہ سورج پر نہیں ہے، تاہم سورج میں سب کچھ ہے، دھرتی میں جو کچھ ہے، وہ سورج میں دوسری شکل میں ہے۔ اس طرح تخلیق کا سلسلہ ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک جاری ہے۔ جس طرح فیکٹری میں ہوتا ہے۔ شروع میں تحرک کا عمل بہت زیادہ ھیبتناک تھا، جب تحرک میں کمی آئی تو ٹھوس چیزوں کی تخلیق ہونے لگی، جسے ہم مادہ کہتے ہیں۔ یہ اور کچھ نہیں ہے، وہی چیز ہے، اس سلسلے میں ہمیں اندر کا فہم رکھنے والے انسان سے بھی کافی شہادتیں ملتی ہیں۔ لیکن ایک عام فہم کا حامل فرد بھی کہہ سکتا ہے کہ سورج میں دھرتی سے زیادہ تحرک ہے اور بیچارے چاند اور دھرتی سورج سے ہی روشنی حاصل کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں دھرتی نے کوئی چیز بنائی ہے، لیکن چونکہ سورج نے کوئی تخلیق نہیں کی ہے، اس میں تحرک کی کمی کی وجہ سے نئی فیکٹریاں نہیں ہیں۔ طبقے بنے ہیں، جس سے نیا عمل شروع ہوا ہے، تاکہ زندگی اور مادہ کی نئی تخلیق ہو سکے۔ اب ہم تخلیق کے اس مرحلے پر پہنچے ہیں، جہاں زندگی وجود میں آئی ہے۔ یہ ایک وسیع مطالعہ کا حامل موضوع ہے۔ سورج ہمارے لئے نہایت اہم ہے، جس پر زندگی کا انحصار ہے۔ لیکن ہمارا مطالعہ دھرتی کی اس چھوٹی فیکٹری تک محدود ہے، جو مادہ بنا رہی ہے، سورج تک رسائی میں ہم ناکام ہیں، اس کا راز تحرک کو کم کرنے اور تحرک کی وسعت میں ہے، سارے کہکشاؤں میں یہ عمل جاری ہے، ایک عمل ختم ہو کر دوسرے عمل میں تحلیل ہوتا ہے،

Marfat.com

اسی طرح عمل کا یہ سلسلہ جاری ہے، اس طرح سے مواد بنتا رہتا ہے اور تحرک کا عمل جاری رہتا ہے، جسے ہم حرارت کہتے ہیں۔ وہ انرجی مادہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور مادہ انرجی کے ذریعے متحکم رہتا ہے، جیسا کہ پروفیسر صاحب نے بتایا کہ وہی شعاعیں ٹھوس مادہ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، وہ اب تک شعائیں ہی ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں، البتہ ارتقاء نے دوسری صورت دی ہے، اس لئے یہاں ہمارا وجود ہے، یہ اس عظیم الشان کائنات کے جداگانہ طبقے کسی عجیب عمل کے ذریعہ یہاں پہنچے ہیں، اس موضوع پر ہم جتنا زیادہ مطالعہ کریں گے، ہماری حیرت واستعجاب بڑھتا جائے گا۔

ہم دھرتی پر انسانی تخلیق کے عمل کو آخری پیدائشی عمل قرار دیتے ہیں۔ ہم جتنا دھرتی میں ہیں، اتنا ہی ہم اس سے جدا بھی ہیں، تاہم ہماری رہائش دھرتی پر ہے اور ہمارا وجود اس کی وجہ سے ہے اور ہم اس کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے۔ کیا کوئی ایسی چیز ہے، جو دھرتی کے ساتھ فنا نہ ہو۔ ہم اپنے نفسیات کے ماہروں کو بعد میں تکلیف دیں گے کہ وہ آکر ہمیں بتائیں کہ کیا کوئی چیز ہے جو دھرتی کے ساتھ ختم ہوتی ہو، اس وقت ہم طبعی مادہ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ آج آپ نے فزکس کے بارے میں لیکچر سنا، ہم بتدریج آگے بڑھیں گے اور اپنے بزرگوں کے پاس پہنچیں گے۔ جو ذہن کے بارے میں سوچتے ہیں، جیسا میں نے عرض کیا 'فی انفسہم' جب ہم اس نقطہ پر پہنچیں گے تو ہم ایک نئی حقیقت سے آشنا ہوں گے۔ لیکن اس وقت تمہیں فزکس کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ وہ کس طرح کام کرتی ہے اور مادہ کس طرح ختم ہوتا ہے۔

یہاں موجود طلبہ نے پڑھا ہوگا کہ موم بتی جلنے سے ضایع نہیں ہوتی، بلکہ اس کا مواد دوسری طرح سے جمع ہوتا ہے، تم میں سے ہر فرد کو وہ چاہے تاریخ یا

Marfat.com

انجنیئرنگ کا شاگرد ہو، اسے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ضرور مطالعہ اور مشاہدہ کرنا چاہیے، ورنہ اس کی تعلیم یک طرفی ہے اور وہ حقیقت کے غلط منظر سے آشنا ہوگا، علم طبعی بہترین موضوع ہے۔ اس کے مطالعے و مشاہدہ سے خدا کی کائنات کے عجب رنگ ظاہر ہوتے ہیں۔ آج کا لیکچر بظاہر تو گفتگو ہے، لیکن تمہیں اسے اللہ تعالیٰ کی فطرت کا اشارہ سمجھنا چاہیئے، اس کا مشاہدہ کرو۔ بظاہر جو نظر آتا ہے، وہ حقیقت میں اس طرح نہیں ہوتا، یہ دھرتی بالآخر ختم ہو جائے گی۔ جو بظاہر مستقل وجود رکھتی ہے۔

شیکسپیئر کہتا ہے کہ تم جو کچھ دیکھتے ہو، وہ ایک بادل کی طرح اڑ جائے گا، کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، پھر چاہے تم لیبارٹری میں تجربہ کر کے دیکھو کہ ٹھوس اجسام کس طرح وجود میں آئے اور کس طرح بخارات بن کر اڑ گئے۔ اس طرح گیس کس طرح تحرک میں آتی ہے۔

اب جب ہیڈروجن بم توڑا جاتا ہے یعنی ایٹم توڑے جاتے ہیں تو اس سے مادہ تحلیل ہو کر ایٹمی صورت میں آتا ہے۔ یہ دلچسپ مطالعہ ہے، جس میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جسم، خون اور گوشت کا بن گیا ہے، جہاں تک مادے کا تعلق ہے تو ہم اس کے علاوہ کچھ نہیں ہیں، لیکن جو مادہ سورج اور دھرتی میں ہے، اس کے علاوہ باہر سے کوئی بھی چیز نہیں آئی ہے، غرض کہ یہ عجیب مطالعہ ہے، جسے ہم فزکس کہتے ہیں، میں اسے مسلمانوں کا مذہب کہتا ہوں، آجکل کہا جا رہا ہے کہ مذہب سائنس کے خلاف ہے، معلوم نہیں وہ کون سا مذہب ہے، جو سائنس کے خلاف ہے لیکن ہمارا مذہب سائنس ہے، میں نے کئی بار کہا ہے کہ لیبارٹری مسلمانوں کے لئے عبادت گاہ کا درجہ رکھتی ہے، لیبارٹری میں عبادت بھی ہو سکتی ہے، میں نے آپ کے سامنے ثبوت بھی پیش کیا

Marfat.com

ہے کہ قرآن شریف میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ غور و فکر سے کام لو، مشاہدہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی کائنات اور فطرت کا مشاہدہ کرو۔ یہ ہمارا مذہب ہے۔ سچ اور حقیقت تک رسائی ہو سکتی ہے، اگر خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر یہی طریقہ ہے،"

سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی تبین لھم انه الحق "عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، آفاق و انفس یعنی کائنات میں اور ان کے اپنے نفسوں میں، یہاں تک کہ حق ان پر واضح ہو جائے گا۔ میں پچھلے کئی سال سے یہ بات واضح کر رہا ہوں کہ دوسرے مذہبوں میں عبادت کے لئے ایک مخصوص جگہ ہے، لیکن یہاں ہمیں دوسروں سے بالکل جداگانہ مشورہ دیا جا رہا ہے کہ لیبارٹری میں مشاہدہ و مطالعہ کرنا بھی عبادت ہے "افلا تبصرون" تم کیوں نہیں دیکھتے ہو! یہاں تم فزکس کی ڈگری حاصل کرتے ہو تاکہ پیسے کماؤ، یہ بڑے شرم کی بات ہے، دوسرے لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مذہب سائنس کے خلاف ہے، لیکن ہمارا مذہب تو سراپا غور و فکر اور مشاہدہ و مطالعہ کا مذہب ہے، جب ہم علم طبعی کا مطالعہ کرتے ہیں یا علم فلکیات کا یا سائنس کا، تو گویا ہم قرآنی تعلیمات پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔"فی الارض آیات للمؤمنین و فی انفسھم "میں چالیس سالوں سے قرآن کی یہ آیت سنا رہا ہوں، مجھے کہا جاتا ہے کہ میں عقل سے کورا ہوں اور نئے دور میں مذہب کی بات کرتا ہوں۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ تمہیں اپنے عقل کا جائزہ لینا چاہئے۔ تم جو بات کہہ رہے ہو، وہ غور و فکر کے بغیر ہے۔ جب کہ میں طویل غور و فکر کے بعد کہتا ہوں کہ اسلام دین فطرت ہے اور وہ عقل کے تقاضوں سے عین مطابقت رکھتا ہے۔

ایک محترم نے میری بیوی سے کہا ہے کہ تمہارا شوہر عقل سے کورا ملا۔

Marfat.com

میری بیوی نے اسے جواب دیا کہ پاگل ملا نہیں بلکہ ملاں ہے، محترم عبدالقادر جیسی شخصیت سے ایک پارٹی میں ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں ایک شعر سنایا:

طفلاں خبر نہ اند مجنون ما
یا نیز مجنون ہنوز سزاوار سنگ نی

شاعر کہتا ہے کہ شہر کے بچے مجنوں کے پاگل پن سے بے خبر ہیں یا ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا پاگل نہ ہو کہ پتھروں کی سزا کا حقدار ہو۔ اس شعر پر انہوں گردن جھکالی، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ مجنوں صحیح ہو اور عقل منداپنی زندگی کے مقصد سے بے گانہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی فطرت کا مطالعہ کرنا چاہئے، خوبصورت فطرت کو دیکھ کر اپنے ذہن اور روح کو جمیل بنانا چاہئے، سچ کی تلاش کے لئے لیبارٹری میں بھی جانا چاہئے قرآن کی اس آواز کو غور سے سننا چاہئے۔

ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار لآیات لاولی الالباب.

Marfat.com

الکتاب والحکمۃ

اور اس سے روگردانی کے نتائج

خواتین و حضرات! آپ کو بخوبی علم ہے کہ آج کتابوں کے سلسلے میں یہ نشست رکھی گئی ہے۔ ہماری ایک محترم شخصیت نے اپنی ذاتی لائبریری یونیورسٹی کے حوالے کی ہے۔ جس سے ہم اور ہماری نسلیں مستفیض ہوں گی، ان مخطوطات اور کتابوں کی فہرست کی تفصیل (ڈاکٹر) نبی بخش بلوچ صاحب بتائیں گے، پروفیسر عبدالعزیز میمن صاحب یہاں موجود ہیں۔ وہ کتابوں کے مواد کے بارے میں بتائیں گے، یقیناً آپ ان میں دلچسپی لیں گے۔

حکیم صاحب، خواتین و حضرات! پروفیسر میمن! حکیم صاحب کا ہم پہلے ہی شکریہ ادا کر چکے ہیں۔ لیکن ان کے تحفہ کا ہم صحیح طور پر شکریہ ادا نہیں کر سکتے، ان کی اس عنایت سے ہماری لائبریری میں کچھ نایاب کتابوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ لیکن انہوں نے کتابوں کے تحفہ کے ذریعہ ہم پر ایک احسان کیا ہے، جو ہمیں اپنی تاریخ کے قیمتی دور کی یاد دلاتا ہے۔ اس کا اظہار میں اقبال کے ایک شعر سے کرتا ہوں۔

خزاں میں مجھ کو رُلاتی ہے یاد فصل بہار

موسم خزاں میں مجھے بہار کے پھولوں کی موسم یاد آتی ہے؟ کیا یہ ہماری تاریخ کا ایک اتفاقی واقعہ تھا یا ایک طوفانی لہر تھی۔ جیسا کہ پروفیسر میمن صاحب نے بتایا کہ مسلمانوں کی لائبریریوں میں لاکھوں کتابیں موجود ہوتی تھیں۔ ایک طرف تو ہماری وہ

Marfat.com

تاریخ تھی۔ دوسری طرف ہماری آج کی حالت ہے۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ میں اس موضوع پر پچھلے تیس سال سے گفتگو کر رہا ہوں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں یہ پیام پہنچا رہا ہوں۔

علم، تحقیق اور کتابوں سے مسلمانوں کے تعلق کا بنیادی سبب قرآن شریف کا پہلا لفظ اقرأ ہے جو ہمارے لئے حکم کی حیثیت رکھتا ہے، اللہ کی طرف سے ہر دور کے انسانوں کے لئے نیا پیغام آتا رہا ہے، ایسا پیغام جس کی اس وقت کی انسانیت مستحق تھی۔ حضور ﷺ کی ذات پر قرآنی پیغام اقرأ سے شروع ہوا۔ جو انہیں انسانوں کو پہنچانا تھا، اس کے بعد دوسری سورۃ بھی نازل ہوئی، جس میں "ن والقلم وما یسطرون" کی آیت ہے، میں سوچتا ہوں کہ حضور نے تحریر اور علم کی کتنی عجیب حقیقت پیش فرمائی ہے۔

قرآن میں آپ کے بارے میں فرمایا گیا:

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم آیاتنا ویزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمة و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون.

ترجمہ: اس طرح ہم نے تمہارے پاس ایک رسول بھیجا، جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں وہ سکھاتا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے۔

یہ تفصیلی پیغام ہے کہ ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا ہے، جو تمہیں ہماری نشانیاں دکھاتا ہے۔ سورۃ الجمعہ کی آیت ہے:

یسبح للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض الملک القدوس العزیز

Marfat.com

الحکیم هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلو، علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة و ان کانو من قبل لفی ضلال مبین.

"جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، جو بادشاہ پاک زبردست اور حکمت والا ہے۔ وہی ہے، جس نے انہی میں سے ایک رسول بیجھا، جو انہیں آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔" یہاں بھی وہی بات دھرائی گئی ہے کہ ہم نے اس رسول کو کتاب اور حکمت سکھانے کے لئے بیجھا ہے اور ان کی آمد سے پہلے لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔ جہالت سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، چنانچہ اس مقصد کے لئے رسول بیجھا گیا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ جب دنیا میں کاغذ نایاب تھا، اس وقت لکھنے پڑھنے کو مذہبی فریضہ قرار دیا گیا۔ حکم کی لائبریری میں جیسا کہ پروفیسر صاحب نے بتایا، چھ لاکھ کتابیں موجود تھی، جو انہوں نے لوگوں سے خریدی تھیں۔ بیچارے نکلس نے مسلمانوں کو ماضی سے واقف کرانے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنی ایک کتاب میں ایک وزیر کے بارے میں بتاتا ہے، جسے خراسان کا بادشاہ بلا کر وزیر کی آفر کرتا ہے، وہ بادشاہ سلامت کو جواب میں کہتا ہے کہ میرے لئے یقیناً وزارت عزت افزا بات ہے، لیکن میری لائبریری کو منتقل کرنے کے لئے چار سو اونٹ چاہئے، جس کا انتظام مشکل ہے۔ اس لئے میں وزیر بننے کے بجائے لائبریری کی حفاظت کو ترجیح دوں گا۔ جب ایک قاضی وزیر کو لکھتا ہے کہ میں کوئی چیز تحفہ میں لیکر آؤں تو وہ جواب میں لکھتا ہے کہ مجھے کسی دوسرے تحفے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر تمہارے پاس کوئی نایاب کتاب موجود ہو، تو وہ لے آؤ۔ اسی طرح عباسی خلیفہ مامون

Marfat.com

بھی یہی کہتا ہے۔ جیساکہ میں پہلے کئی بار بتا چکا ہوں، جب کوئی بادشاہ اس کے آنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کیا خراج لے آؤں، وہ کہتا ہے کہ مجھے تمہارے سونے چاندی اور ہاتھی وغیر کی ضرورت نہیں، ہاں اگر کچھ نایاب کتابیں حاصل کر سکو تو وہ اپنے ساتھ لے آؤ۔ کتابوں کا موجودہ تحفہ مجھے اپنے اس عظیم تاریخی دور کی یاد دلاتا ہے اور ہمارے لئے بہت بڑا تحفہ ہے۔

ہمارے علاقہ کے شاعر قرآن کی اس حقیقت کو آسان لفظوں میں بیان کرتا ہے۔

نئون نياپو آيو راتي ملان رات
لذي سون لطيف چئي كنان ذاتر ذات
كهڙي پڇي ذات جي آياسي اگهيا.

اس لئے اس پیغام نے دنیا کی نسلی اور خاندانی عظمت اور غرور کی پوزیشن کو بالکل تبدیل کر دیا۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم

ہمارے لئے دولت کا نقصان اہمیت رکھتا ہے۔ علمی دولت کے ضیاء کی اہمیت ختم ہو گئی جب کہ مادی نقصان ہمیں یاد رہتا ہے، لیکن میں ہندوؤں سے کہوں گا کہ ایڈن آرنولڈ نے "ایشیا کی روشنی" (Light of Asia) کتاب جو گوتم بدھ کی زندگی کے بارے میں ہے) لکھ کر ایک کارنامہ سرانجام دیا ہے اور اس چھوٹی کتاب کی تخلیق کی صورت میں انگریزوں نے وہ قیمت چکا دی ہے، جو مادی دولت کی صورت میں وہ انگلستان منتقل کر چکے تھے۔

Marfat.com

اس سے میرا مقصود یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسانی محنت کے استحصال کو حق بجانب قرار دیا جائے، چونکہ کتاب کی اہمیت ساری دنیا کی دولت سے زیادہ ہے۔ آپ ﷺ امی تھے اور امیوں سے ہی ظاہر ہوئے۔ "بعث فی الامیین رسولا منهم" آپ ﷺ لوگوں کو خوراک اور دولت دینے کے لئے نہیں آئے تھے، بلکہ روشنی، ہدایت اور علم سکھانے آئے تھے۔ یہی پیغام ہے جو مسلمانوں نے حضور ﷺ سے حاصل کیا۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے اعزاز کے لائق تحفہ کتاب ہی تھا۔ چنانچہ دنیا بھر کی کتابیں ایک جگہ جمع ہو گئیں، اس وقت جب دنیا میں کہیں بھی کتاب مہیا نہیں تھے۔

آپ کو شاید یقین نہ آئے کہ اس وقت کے یورپ کے پاس مطالعہ کے لئے پانچ کتابیں بھی موجود نہیں تھیں۔ یہاں تک کہ انجیل بھی ان کے پاس نہیں تھا۔ انجیل یونانی اور عبرانی زبان میں تحریر تھا، جسے جاننے اور سمجھنے والے موجود نہیں تھے، وہ کتاب کے نام سے بھی آشنا نہیں تھے، تاریخ کے پوسٹ گریجویٹ افراد جانتے ہیں کہ رچرڈ کو اپنا نام لکھنا نہیں آتا تھا۔ انگریزوں کے اکثر بادشاہ دستخط نہیں جانتے تھے۔ اس وقت تعلیم اور کتاب کے بارے میں یہ عام صورتحال تھی۔

پروفیسر صاحب نے بتایا کہ ایک وقت تھا کہ جب حکم کی لائبریری میں اتنی کتابیں موجود تھیں، جو آج برٹش میوزم اور یورپ کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔ آج ہمارے پاس کوئی ایسی لائبریری نہیں ہے، جس میں پرانی کتابیں مل سکیں۔ اقبال کہتے تھے کہ ہوس کے شکار حملہ آور حکومت لیلیں تو لیلیں، لیکن دکھ یہ ہے کہ وہ ہماری کتابیں لے گئے ہیں، اقبال یہی رونا روتے تھے۔ اس لئے کہ کتاب ہماری زندگی کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، لیکن آج ہمارے پاس سنجیدگی مفقود ہے۔ میں صبح اپنے لڑکوں

Marfat.com

کو سمجھا رہا تھا کہ اگر تمہیں ایک بزرگ کوئی بات بتانا چاہتا ہے تو تمہاری حالت یہ ہے کہ تم طرح دے جاتے ہو، آداب اور احترام سیکھنا چاہئے۔ ہمارے بڑے کہتے تھے کہ آمدن بہ اراد۔ رفتن بہ اجازت، جب تم ایک بار آئے ہو تو اب تم اجازت کے بغیر نہیں جاسکتے۔ یہ طریقہ غیر مہذبانہ ہے کہ بزرگوں کو کسی لائق نہ سمجھا جائے اور ان کی بات کو اہمیت ہی نہ دی جائے۔ ہماری روایات تو یہ نہیں ہیں، جو عظیم ہستی ہماری تربیت کے لئے مبعوث ہوئی تھی۔ ان کا فرمان ہے:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق میں انسان ذات کے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے جب تم حضور ﷺ سے ملنے جاؤ تو بغیر اجازت نہ جاؤ۔ یہ وہ اخلاق حسنہ ہے، جس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ آج ہماری ساری قدریں ختم ہیں۔ کتاب پر غور و فکر کا عمل ختم ہے، کتاب کو نیچے گرادیا گیا ہے، جب کہ پیسہ زمین پر گرتا ہے تو اسے اٹھالیا جاتا ہے۔ کتاب کے کاغذ زمین پر بکھرے رہتے ہیں، ان کا احترام بری طرح مجروح ہے۔ ہمارے بزرگوں کی حالت یہ تھی کہ وہ کاغذ کو زمین پر گرتے دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر مجھے اقبال کا شعر یاد آتا ہے۔

خزاں میں مجھے رلاتی ہے یاد فصل بہار
خوشی ہو عید کی کیونکہ سوگوار ہوں میں۔

یہاں آنے سے پہلے میں لوائی جامی پڑھ رہا تھا جس کے یہ اشعار سننے کے قابل ہیں۔

یارب دل پاک جان آگاہم دہ

شب دگر یہ زہر گاھم دہ
در راہ خود اول نجود م بخود ہم دہ
آنکہ سے خود ز خود بخود راھم دہ

یہ جامی کی فکر ہے۔ انہیں آگاہی کی ضرورت تھی۔ جس کی طلب میں وہ رہتے تھے۔ دنیا کی چیزوں نے اصل حقیقت اور حسنِ معنوی کو چھپا دیا ہے۔ ہمیں ان پردوں کو ہٹانا چاہئے۔ ہم ان پردوں کو ہٹا کر اس حسن کا مشاہدہ کر سکتے ہیں تو ہمیں ایسا کرنا چاہئے، اسی کو آگاہی کہتے ہیں۔ یعلم الکتاب والحکمۃ لیکن آگاہی کون چاہتا ہے؟ لذت کا حصول، موٹر کاریں، بنگلے اور خوبصورت زندگی، یہی ہمارا مقصود بن چکا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ جانوروں کی طرح چراگاہ بھری ہوئی ہو اور ہم چرتے رہیں۔ یہاں تک کہ موت آئے۔ ہم اس سطح تک پہنچ چکے ہیں اور حکمت کو ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ کارلائل، کتاب کی معنیٰ صحیح شعور میں رکھتے ہوئے اسے المکتوبہ کہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی کتاب مقدر کی کتاب ہے، جس میں تقدیر مقدر ہے۔ کارلائل نے اپنے ملک کے لوگوں سے کہا کہ انہیں الکتاب پڑھنا چاہئے، یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ "الکتاب" میں جو حکمت ہے،۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ وہ حکمت کیا ہے اور وہ کس طرح حاصل کی جائے۔ لیکن آج اس حکمت کے بارے میں کس کو دلچسپی ہے؟ پچھلے چھ سالوں میں مجھ سے کسی (استاد و طالب علم نے) نہیں پوچھا کہ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ علم کیا ہے' مختلف طریقوں سے امتحان پاس کر کے ڈگری تو حاصل کی جاتی ہے، لیکن زندگی کے مقصد کا شعور و ادراک سلب ہو گیا ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ. کے معنیٰ و مفہوم کی طلب باقی نہیں رہی۔ البتہ ہمارے بزرگوں کو

Marfat.com

اس کی طلب تھی، اس لئے انہوں نے کہا:

عیاں نہ شد کہ آمدم کجابودم دروخ درد کہ غافل زکار خویشتنم

کتابوں کا یہ چھوٹا سا تحفہ، جس میں کچھ پھٹی ہوئی کتابوں کی جلدیں ہیں، ہم انہیں اس نظر سے دیکھتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کی ایک سطر کی تاثیر اتنی زیادہ ہو کہ وہ ہمیں جنت میں لے جانے کا ذریعہ ثابت ہو۔

حضور ﷺ، کتاب اور حکمت ہی کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ اس لئے مہربانو! بیدار ہو جاؤ! یہ اسلامی ریاست ہے اور ہمیں اپنی روایات اور ورثے کی حفاظت کرنی چاہئے، ایک وہ وقت تھا کہ ہمارے پاس لاکھوں کتابیں تھیں اور یورپ کتابوں سے بالکل محروم تھا۔ ان کے پاس اسکول، کتابیں اور الفابیٹ تک نہیں تھیں، ان کی اس محرومی کے باوجود ہمیں دیکھنا چاہئے کہ وہ آج کہاں کھڑے ہیں اور ہماری حالت زار کیا ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انہوں نے غور و فکر سے کام لیا۔ کتاب سے دلچسپی لی۔ جب کہ ہم سو گئے۔ ہماری کتابیں وہ لے گئے۔ ان کی لائبریریاں ہماری کتابوں سے بھر گئیں۔

میں جب جرمنی کے بون شہر میں تھا تو وہاں میں نے لطیف کی شاعری کا ترجمہ اور ملفوظات دیکھی، جب کہ یہاں ہماری حالت یہ ہے کہ لطیف سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔

مہربانو! بیدار ہو جاؤ۔ میں حکیم صاحب کا مشکور ہوں، ان کے تحفہ کے لئے بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس موقعے پر ہمیں مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے علمی کارناموں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ تیرہ سو سال پہلے جب قرآن کی آیت اقرآ نازل

ہوئی، جس سے دنیا میں کتاب کی روشنی پیدا ہوئی۔ یہ کتابیں ہمارے لئے اپنے عہد زریں کو یاد دلانے کا ذریعہ ہیں۔ میں حکیم صاحب کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کشادہ دلی اور محبت کے لئے ممنون ہوں کہ انہوں نے جامعہ کو کتابیں دیں اور تقریب میں بھی شریک ہوئے، ہمارے وہ افراد جن کے پاس بزرگوں کی کتابیں موجود ہیں، جنہیں دیمک کھا رہا ہے، جو ضایع ہو رہی ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ بھی حکیم صاحب کی طرح اپنی کتابیں جامعہ کو دیں، تاکہ ان سے بہتر استفادہ کی صورت پیدا ہو اور ان کی حفاظت بھی ہو سکے۔ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔

Marfat.com

تمدن اور تمدنی زندگی

خواتین و حضرات! آپ نے "زندگی کا تمدنی بنیاد" کے موضوع پر دلچسپ تقریر سنی، بد قسمتی سے آج کل یہ لفظ بغیر کسی تمیز کے استعمال کیا جاتا ہے۔ تمدن کی حقیقی معنیٰ کیا ہے؟ ہم اکثر ایگری کلچر، اینیمل کلچر، ہیومن کلچر وغیرہ الفاظ سنتے ہیں۔ آج کل ہر چیز کو کلچر (تمدن) کہا جاتا ہے۔ بیس سال پہلے جرمن نے جنگ شروع کی تو کہا کہ ہم ساری دنیا میں جرمن کلچر (Kultur) چاہتے ہیں، کیونکہ جرمن کلچر سے بہتر کوئی چیز نہیں، اس لئے ہم نے جنگ شروع کی ہے تاکہ ساری دنیا میں جرمن کلچر (تمدن) متعارف ہو۔ بہر حال وہ ناکام ہوئے اور اپنے ملک کو دو لخت کیا۔ اب کلچر میں کوئی امتیازی چیز دیکھنے میں آرہی ہے، جس کا ہمیں ادراک نہیں۔

آیئے ایک عام کلچر سے بات شروع کریں، جسے ایگری کلچر کہتے ہیں اور ہم سب اسے سمجھتے ہیں، جب کسان فصل کے لئے زمین تیار کرتا ہے، جنگل صاف کرتا ہے۔ ہل چلاتا ہے، زمین کی سطح ٹھیک کرتا ہے، اس کے بعد بیج ڈالتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور انتظار کرتا ہے کہ کونپل تیار ہو۔ پھر کونپل کی نگرانی کرتا ہے، فصل کی صحت کا خیال رکھتا ہے تاکہ جانور اسے نقصان نہ پہنچائیں، جب فصل پک جاتا ہے تو ... سنگ نکلتے ہیں، اس کے بعد فصل کو کاٹا جاتا ہے یہ طریقہ ہر فصل کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

اب تم نے دیکھا کہ ایگری کلچر (زراعت) میں کتنی چیزوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے، مثلاً گند صاف کرنا، ہل چلانا، زمین کی سطح ٹھیک کرنا، پانی دینا، اور آخر میں فصل کی

Marfat.com

حفاظت کرنا، جب تک وہ پک کر تیار نہ ہو جائے۔ ملکوں کو کلچر کے سلسلہ میں بھی یہی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہم لوگ اپنے ملک میں تمدن (کلچر) کی شروعات کرتے ہیں، ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ باہر کی قوت آکر اس کلچر کو تباہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ ملک کے حکمران فوج قائم کرتے ہیں، تاکہ دشمنوں سے اپنے کلچر کا تحفظ کیا جا سکے۔ اس طرح ملکوں کو اپنے معاملات کو منظم کرنے اور کام کرنے کے لئے وقت مل جاتا ہے اور قومی زندگی کا نقشہ مرتب ہونے لگتا ہے۔ اس کو کلچر (تمدن) کہا جاتا ہے۔

اب تمدن اور تہذیب میں کیا فرق ہے؟ اکثر لوگ اس میں فرق نہیں کرتے، لیکن ان دونوں میں فرق ہے، تہذیب اور تمدن ایک چیز نہیں ہے۔ اگرچہ ان کا آپس میں ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے، تمدن منظم منصوبہ بندی پر مشتمل عمل کا نتیجہ ہے۔ جس کے لئے محنت ضروری ہے، جب کسی چیز کی پیداوار مقصود ہوتی ہے تو اس کے لئے منصوبہ بندی کی جاتی ہے اور اس کے لئے عملی اقدامات کئے جاتے ہیں۔ پیداوار از خود نہیں ہوتی، اس کے لئے منصوبہ بندی کے ساتھ جدوجہد کرنی ہوتی ہے۔ از خود پیدا ہونے والی چیز کو تمدنی پیداوار نہیں کہا جا سکتا، دوسری طرف ایک شخص اگر کھیتی کر رہا ہے اور ہر قسم کا فصل پیدا کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمدن کی تشکیل کر رہا ہے۔ ایگریکلچر کی طرز پر ہی اخلاقی، سیاسی، نفسیاتی، روحانی اور سماجی تمدن ہوتا ہے، جس سے انسانی تمدن متشکل ہوتا ہے۔

اب انسان زرعی کلچر کو زمین پر چھوڑ دیتا ہے، اپنے ذہنی ارتقاء کی وجہ سے اپنے آپ کو تمدن کی تشکیل کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور اپنی پرورش کے عمل یعنی اپنی ارتقاء کے لئے شعور کے ساتھ مشقت سے ایک چیز وجود میں لاتا ہے۔ اسے جرمن

Marfat.com

زبان میں کلتور (Kultur) کہتے ہیں، ہر وہ چیز جو اچھی ہے، بہتر ہے اور دنیا کے لئے بہتر ہے، وہ کلچر میں شامل ہے اب تہذیب کیا ہے؟ تہذیب دراصل سماجی کلچر ہے۔ جب کسی معاشرہ میں جذبہ پیدا ہوتا ہے، شعور ابھرتا ہے، اخلاقی برتری پیدا ہوتی ہے تو اس طرح کے معاشرہ کو تہذیب یافتہ کہتے ہیں اور ان لوگوں کو مہذب کہتے ہیں، یہ ایک طرح سے تمدن کا حصہ ہے۔ ایک اعتبار سے تہذیب اور تمدن میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ معمولی فرق ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ریاضی پر لیکچر جو پروفیسر اے-ایل شیخ نے دیا تھا، ان کی تقریر کے بعد میں نے اپنی گفتگو میں کہا تھا کہ کثرت (Manifold-ness) کی دو قسمیں ہیں ایک (Discrete Manifoldness) تفریقی کثرت اور دوسری (Continuous Mani- foldness) مجمل کثرت۔

مجمل کثرت (Continuous Mani- foldness) کی یہ خاصیت ہے کہ اسے مجمل یا تفریق کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مجمل کثرت میں وحدت ایک مکمل وجود کی صورت میں سامنے آتی ہے، حالانکہ تجربے و مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت بہت ساری جداگانہ چیزوں کا نام ہے (اگرچہ وہ وحدت ہے) تہذیب کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں ہمیشہ وحدت سے کثرت کے لئے سوچا جاتا ہے۔ اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ایک فرد کو دھرتی پر تن تنہا چھوڑا جائے تو ظاہر ہے اسے تہذیب کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ ایک فرد کی صورت میں تہذیب ممکن نہیں اور نہ ہی سوسائٹی کی تشکیل ہوسکتی ہے، لیکن کیا تنہا فرد کو تمدن کی ضرورت ہوگی؟ یقیناً ہوگی۔ دھرتی پر ایک فرد بھی موجود ہے، جیساکہ پروفیسر حمید صاحب نے کہا تو اسے اپنے روح کی آبیاری کی ضرورت محسوس ہوگی، جمالیاتی طور پر اسے پاکیزہ ہونا

پڑے گا۔ اخلاقیات میں بھی اسے اعلیٰ ہونا پڑے گا۔ اسے ان ساری چیزوں کی ضرورت لاحق ہوگی، جس سے وہ بہتر اور پاکیزہ فرد بن سکے۔ بہر حال جب تک وہ تنہا ہے تو اس میں اچھے پڑوسی اور دوستی کے احساسات ابھر نہ سکیں گے۔ لیکن تہذیب میں اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ تہذیب معنیٰ سماجی کلچر، جہاں ایک سے زیادہ لوگ رہتے ہوں، چنانچہ لوگوں کی اجتماعی زندگی کو تہذیب کہا جاتا ہے۔

تہذیب اور تمدن کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اگر دنیا میں کسی فرد کو تنہا چھوڑا جائے تو تمدن کا حامل فرد تنہائی محسوس نہیں کرے گا۔ لیکن تہذیب کا حامل فرد جو تمدن سے خالی ہے، وہ تنہائی کے شدید احساس کا شکار ہوگا۔ مہذب فرد کے لئے سوسائٹی کے بغیر رہنا مشکل ہے۔ جب کہ تمدن کا حامل فرد تنہا زندگی گذار سکتا ہے۔ اسے کسی فرد کی ضرورت نہیں، چنانچہ تہذیب کی معنیٰ ہے اجتماعیت اور اجتماعی مقاصد کے لئے زندگی بسر کرنا، مثلاً ایک قوم میں تمدن موجود نہیں، وہ بالکل قدیم محسوس ہو رہی ہے، کیا اس قوم سے کسی بڑی تہذیب کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے تمدن سے کچھ نہ کچھ آشنائی ہونا ضروری ہے، تاکہ مہذب زندگی کی صورت پیدا ہو سکے، جس میں شہری اور سماجی زندگی میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے، اب سوال یہ ہے کہ اگر میں زمین کی خصوصیت سے واقف نہیں ہوں اور یہ نہیں جانتا کہ اسے کس طرح تیار کیا جائے تو کیا کھیت کو پیداوار کے قابل بنا سکوں گا؟ شاید نہیں! اسی طرح انسانی تمدن کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ افراد کو پہچانا جائے، اس کی نفسیات کو سمجھا جائے اور اس کی صلاحیتوں سے واقف ہوا جائے۔

انسان کیا ہے، اس کی صلاحیتیں کیا ہیں؟ جب اس کا مطالعہ ہوگا تو اس کے بعد

ہی تہذیب اور تمدن کا تعین ہو سکے گا۔ جب فرد کھیت اور بیج سے ہی واقف نہیں تو اس سے پیداوار کی امید رکھنا صحیح نہیں۔

اسی طرح تعلیمی نفسیات کے ماہر کو پہلے بچوں کی نفسیات کا مطالعہ کر کے ان کی ذہنی و مزاجی صلاحیتوں کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ استاد کے لئے بچے کے ذہن اور نفسیات سے واقفیت ضروری ہے۔ اگر وہ بچے کی نفسیات سے واقف نہیں تو ناکام استاد ہے۔ اس لئے ٹریننگ کے دوران استاد کو بچے کی نفسیات پڑھائی جاتی ہے کہ وہ مختلف بچوں سے کس طرح برتاؤ کرے، وہ کون سی عادتیں ہیں جو والدین کی صحبت یا وراثت میں بچوں میں موجود ہیں، جن کی اصلاح ضروری ہے، اس کے بعد ہی تعلیم مفید ہو گی، استاد کو یہ ساری باتیں پیش نظر رکھنی پڑتی ہیں۔ اسی طرح تعلیمی نظم کا تمدن پیدا کیا جاتا ہے، ان ساری چیزوں کا تجزیہ انسانی تمدن کا حصہ ہے۔ جس طرح کھیت کو صاف کرنا، ہل چلانا غیر ضروری گھاس نکالنا، پانی دینا اور بیج ڈالنا، یہ ساری چیزیں زراعت کا حصہ ہیں۔ انسانی ذہن کی تطہیر کے لئے بھی اسی طرح کے مسائل در پیش ہیں۔ یہاں میں ایک اور نکتہ صاف کرنا چاہوں گا۔ زندگی میں جو مصائب اور دکھ آتے ہیں، ہم سب کو اس کا تجربہ ہے اور ہم کہتے ہیں کہ مصائب بھیانک ہیں، معلوم نہیں اللہ تعالٰی نے دکھ کیوں پیدا کئے ہیں۔ میں کہتا ہوں، اللہ کو انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی اور اسے اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے ہمارے لئے دھرتی ہو اسے ہم کھیت کے طور پر استعمال کریں، اس میں ہم محنت کریں، ہل چلائیں، گھاس وغیرہ نکالیں، بیج ہونے سے پہلے اس کی سطح ٹھیک کریں۔ یہ ساری محنت کریں اس کے بعد ہی اللہ کی دھرتی کھیت سے ہم بہتر فصل کی امید رکھتے ہیں۔ ان مصائب ا

Marfat.com

تکالیف کے بغیر کیا کسی، بہتر فصل کی امید کی جاسکتی ہے۔ ہمارے شاعر شاہ عبداللطیف نے فرمایا ہے

۱- سئو سکن ڏيئي ورهہ وهايم هيڪڙو
۲- سورم وجي جاءِ سڄڻ جئن سانگ ويا
پرين پچاڻان آئون اوهان سين اوريان.

وہ کہتے ہیں کہ دکھ خوشیوں سے زیادہ بہتر ہیں، اس لئے کہ وہ میرے ساتھ ہیں اور میرا ان سے گہرا تعلق ہے اور وہ مجھے محبوب تک پہونچانے کا ذریعہ ہیں۔

یہ دکھ، غم اور مصیبتیں در حقیقت افراد کی تطہیر اور ان کی بہتری کے لئے کھیت کی آبیاری کے لوازمات کی طرح ہیں۔ اس کے بغیر گندگی کی صفائی اور افراد کی تعمیر و تطہیر مشکل ہے۔ دکھ اس لئے آتے ہیں تاکہ مدافعت کی قوت پیدا ہو، زندگی میں حوصلہ اور ہمت پیدا ہو۔ مصائب سے مقابلہ کی صلاحیت پیدا ہو، فرد کو اپنے اوپر ضابطے کے ہزاروں طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں تاکہ تمدنی فرد پیدا ہو سکے۔

جس طرح دھرتی پھل پیدا کرتی ہے۔ اس طرح انسانی معاشرہ میں بھی روحانی پھل پیدا ہونے چاہئے۔ دفاع بھی ضروری ہے تاکہ کوئی جانور یا پرندہ آکر فصل کو نقصان نہ پہنچائے، اس لئے ضروری ہے کہ غلط ذہنیت کے حامل افراد سے دور رہنے اور ان کی صحبت سے بچنے کی کوشش کی جائے، دوسری صورت میں اخلاقی و روحانی زندگی تلپٹ ہو جائیگی، جس طرح جانور فصل کے لئے تباہ کن ہوتے ہیں، اسی طرح غلط صحبت افراد کے لئے تباہ کن ہوتی ہے۔ اس لئے دفاع ضروری ہے۔ اس میں اپنے اوپر کنٹرول کرنا اور بیرونی دفاع دونوں شامل ہیں۔ اس کے بعد ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ذہن

Marfat.com

کی آبیاری ہوئی ہے اور سوسائٹی نے تمدن کی تشکیل کی ہے اور سماج وجود میں آیا ہے۔

اخلاق اور سیاست تمدن کی شاخیں ہیں۔ انسانی تمدن اور ذہن یکساں ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق موجود نہیں۔ اخلاقیات میں بہتری، سچائی، اور خوبصورتی یہ تینوں چیزیں شامل ہیں، جنہیں ہم پسند کرتے ہیں۔ اچھائی اور خوبصورتی سے صداقت کا کام ہوتا ہے۔ یونانی کہتے ہیں کہ خوبصورتی سچائی ہے اور سچائی خوبصورتی ہے، ہم سب کو اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ بہتری سچائی ہے اور سچائی بہتری ہے۔ بہتری کو تمدن کی عملی شکل بھی کہا جا سکتا ہے، اس طرح کی سچائی کو تمدن کی نظری بنیاد کہا جانا چاہئیے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وقت عمل کا صحیح ہونا اور سوچ کی کجی اور غلطی سے محفوظ ہونا، اس کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ روح اور ذہن کا تمدن جو مکمل نظم وضبط کی حالت میں ہے، اس کے لئے روحانی ارتقاء کی راہ میں حائل چیزوں کا صدور نہیں ہوتا۔ خوبصورتی، سچ اور بہتری اس کے اجزاء ہیں اور وہ ایک دوسرے سے اس طرح منسلک و مربوط ہیں کہ تفریق کے بعد ہی ہم انہیں ایک دوسرے سے جدا دیکھتے ہیں، دوسری صورت میں وہ ایک ہی ہیں اور ہم انہیں انسان کہہ سکتے ہیں۔

انسان اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ان تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ انسان جسم کا نام نہیں، جو ہمیں نظر آتا ہے، جسم کو آسانی سے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن انسان تو حقیقت میں ان تین اجزاء سے ہی عبارت ہے۔ چنانچہ تمدن کی یہی خصوصیت ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ سب کثرت میں ہوتے ہوئے بھی وحدت کی حالت میں ہیں، اسے صحیح تمدن کہا جاتا ہے۔ غیر تمدن کے حامل افراد کو کثرت میں وحدت نظر ہی نہیں آسکتی۔ زیادہ ترقی یافتہ ذہن کے حامل افراد کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ

Marfat.com

وحدت پیدا کر لیتے ہیں۔ وہ کثرت میں وحدت ہی کو تلاش کرتے ہیں۔ کثرت انہیں وحدت سے دور کرنے اور فریب میں مبتلا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتی۔ کثرت کے مطابق انسان رنگ و نسل میں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہوتا ہے۔ لیکن متمدن فرد کے لئے رنگ و نسل کا اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ انسان تو انسان ہی ہے، اس کے نزدیک انسانوں کے درمیان ایک رشتہ ایسا ہونا چاہئے جو انہیں وحدت کی لڑی میں مربوط کر سکے۔ انہیں وحدت کے نظام میں جوڑنے سے ہی ذہن تمدنی بن جاتا ہے، کیونکہ تمدنی نگاہ وحدت کی نگاہ ہوتی ہے۔ یہ تعریفی نگاہیں نہیں ہوتی، اس لئے ہم ایسے افراد کو کہتے ہیں کہ یہ متمدن لوگ ہیں اور تہذیب یافتہ انسان ہیں، اس کے نزدیک سب انسان برابر ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ وہ ساری کائنات کو ایک ہستی کی تخلیق سمجھتا ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے کائنات کی خالق ہستی کی قدردانی کی جا سکتی ہے، اس کے لئے بھی کسی تمدن کی ضرورت ہے تاکہ ان بیشمار نمونوں کو وحدت میں سمایا جائے۔ یہ مقصد ایسا ہے، جو ذہنی تمدن اور انسانی تمدن سے حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی زراعت کے کلچر سے حاصل ہو سکتا ہے۔ پروفیسر حمید صاحب نے تمدن کے مختلف شعبوں کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ انہوں نے انسانی تمدن کے بہت سے پہلوؤں کا ذکر کیا اور انسانی ذہن اور عمل کا تجزیہ کیا، لیکن یہ سارے اسی ذہن کے پہلو ہیں، جو ہم آہنگی سے مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں، لیکن ذہن ایک ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ ایک شخص جو غلط سوچتا ہے اس کے لئے درست عمل ممکن نہیں ہوتا۔ ایک شخص جو مہذب نہیں ہے، وہ خوبصورتی کی حس سے محروم ہوتا ہے، وہ جمالیات کے ذوق سے بھی ناآشنا ہوتا ہے۔ مہذب آدمی ہی ہوتا ہے، جو جمالیات کا

Marfat.com

حامل ہوتا ہے۔

اب پودوں کی طرح انسان بھی پھول پیدا کر سکتا ہے۔ اس کی زندگی میں ایک دن آتا ہے، جب وہ انتقال کر جاتا ہے۔ گلاب کا پودا گلاب کا پھول دیتا ہے اور یہ وقت کے اندر ختم ہو جاتا ہے۔ کیا پھول میں کوئی ایسی چیز ہے، جو پودے سے جدا ہو جاتی ہے۔ پھول چاہے ختم ہو جائے، لیکن خوشبو برقرار رہتی ہے۔ یہ خوشبو ایسی ہے جو دنیا بھر میں جاتی ہے، یہی خوشبو ہی تو ہوتی ہے جو پھول کا مقصد ہوتا ہے۔ اب وہ اپنے پودے سے جدا ہو کر اور فنا ہو کر دنیا کو معطر کرتی ہے، اسی طرح مہذب اور متمدن انسان کی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنے کردار کی خوشبو سے دنیا کو معطر کرنے کے بعد اگر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو در حقیقت وہ اپنے (کردار کے آئینے میں) زندہ ہوتا ہے، وہ بغیر خوف و حزن کے مسکراتا رہتا ہے۔ قرآن کے مطابق 'لایحزنهم الفزع الاکبر وتتلقٰهم الملائکة ھٰذا یومکم الذی کنتم توعدون' یعنی انہیں غم ہوگا نہ خوف۔ فرشتے آئیں گے اور کہیں گے، یہ وہ دن ہے جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

ایسا فرد قیامت تک غم سے محفوظ ہوگا۔ چوں کہ وہ موت سے پہلے مر چکا تھا (موتو قبل ان تموتو) اس لئے وہ زندہ ہے۔

خواتین و حضرات! متمدن زندگی، تہذیب یافتہ روحوں کی زندگی دنیا کی تکالیف اور دکھوں سے بالکل آزاد اور ماورئی ہوتی ہے، ان کے لئے موت ڈرنے کی چیز نہیں ہوتی، افراد کی روح جب اس حد تک پہنچتی ہے تو حقیقی تمدن وجود میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے تمدن اس سے پست ہوتے ہیں۔ تمدن کا تعلق افراد کی ارواح کی بلندی سے ہے۔ اس حالت پر پہنچنے کو ہم کہیں گے کہ یہ صحیح اور مکمل تمدن ہے۔

سائنس اور آرٹ

آج کی تقریب میں، میں تقریر کے لئے نہیں آیا ہوں۔ آپ سب کو، اساتذہ اور شاگردوں کو تکلیف دی ہے کہ مجھ سے گفتگو کرنے کی بجائے سمجھنے کی کوشش کریں، الفاظ بہت اچھے ہیں، بشرطیکہ وہ کسی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ادا ہوں۔ دوسری صورت میں الفاظ کی حیثیت سطحی حقیقت سے مختلف نہیں، جو معنیٰ سے خالی ہیں، اب الفاظ کو اہمیت حاصل نہیں، بلکہ اس کی معنیٰ اور روح کو ہی اصل سمجھا جاتا ہے۔ ہمارا سارا وقت لفظوں کے استعمال میں گذر جاتا ہے۔ اس لئے ہم کسی حقیقت کی اصلیت تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ اگر ہم استعمال شدہ الفاظ کی معنیٰ اور حقیقت تک رسائی میں کامیاب ہیں تو پھر ہم یقیناً فائدے میں ہیں۔ اس سلسلے میں میں نے یہاں سارے شعبوں کے طلبہ کو جو سائنس اور آرٹ میں پڑھتے ہیں۔ اور پروفیسرز کو بھی تکلیف دی ہے کہ وہ ہماری مدد کریں، تاکہ الفاظ کی حقیقت تک پہنچ سکیں، جو آسان بات نہیں۔

مجھے یاد ہے کہ دورِ جوانی میں مجھے فائن آرٹ کی معنیٰ معلوم کرنیکی بہت زیادہ جستجو ہوتی تھی۔ میں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ آرٹ اور فائن آرٹ (Fine Arts) کیا ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے کس طرح الگ ہیں! کیاان میں واقعی فرق ہے! ایسا کیوں ہے جبکہ سب فائن آرٹ میں شامل ہیں! اس تلاش میں مجھے بیس سال گذر گئے، میں نے کتنی کتابیں پڑھیں۔ اس لئے یہ سمجھنا آسان نہیں، جتنابظاہر نظر آرہا ہے۔

Marfat.com

یہاں ڈاکٹر عبدالحمید صاحب بیٹھے ہیں، جو جرمن زبان کے اسکالر ہیں۔ میں سمجھتا ہوں انہوں نے فائن آرٹ کے بارے میں جو پہلی کتاب پڑھی ہو گی، وہ ہیگل کی پانچ جلدوں پر مشتمل کتاب ہو گی۔ اس کے بعد کتنے ہی رائین (Rhine) تھیمس (Themes) اور انڈس (Indus) پیدا ہوئے ہیں، ہیگل کو تقریباً ڈیڑھ سو سال گذر گئے ہیں۔ سینکڑوں کتابیں فائن آرٹ، جمالیات آرٹ اور ان حقائق پر لکھی گئی ہیں، لیکن اس کے بارے میں اب تک ہمارے پاس کوئی واضح فہم موجود نہیں! یہ اب تک سوالیہ نشان ہے، جواب تک حل نہیں ہوا ہے۔ آپ میں سے کچھ ذہین افراد ہوں گے، جنہوں نے اس کا حل نکالا ہو گا۔ لیکن مجھے کافی سال گذر گئے ہیں، کیونکہ میں اتنا ذہین نہیں ہوں۔ میں نے فائن آرٹ کو سمجھنے کے لئے کافی محنت کی ہے۔ آج مجھے معلوم ہے کہ یہاں کچھ اساتذہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ کس طرح پڑھایا اور لکھایا جائے، وہ اپنے آپ کو سکھانے کے ٹیچلر کہلواتے ہیں۔ لیکن ٹیچلر کہلوانے سے پہلے انہیں والد کی حیثیت دینی ہو گی، اس کے بعد وہ سال چھ مہینے کے اندر اس قابل ہوں گے کہ حقیقتاً پڑھا سکیں۔ پھر وہ ٹیچلر نہیں ہونگے، ان کی کلاس میں جتنے بھی شاگرد ہوں اور وہ انہیں بہتر طور پر پڑھا سکیں گے اور ان پر بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ جب وہ قوم کے سینکڑوں، ہزاروں بچوں کے باپ کی حیثیت کے حامل ہوں گے، اس کے بعد ہی وہ انہیں صحیح معنی میں پڑھا سکیں گے، اس وقت وہ ٹیچلر سیکھ رہے ہیں اور عملی مضامین کا امتحان دے رہے ہیں۔ عملی امتحان سے مراد یہ ہے کہ کس طرح پڑھایا جائے۔ کس طرح جامیٹری یا حساب یا تاریخ یا کوئی دوسرا ادبی مضمون پڑھایا جائے، اب جب تک مرکزی نکتہ معلوم نہیں ہو گا، اس وقت تک وہ گول دائرے کے گرد

Marfat.com

گھومیں گے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں کہ گدھا چکی کے گرد ہی چکر کاٹ رہا ہوتا ہے۔ اب بتائیں کہ طریق تعلیم کا مرکزی نکتہ کیا ہے! طریقہ تعلیم کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ طلبہ کو احساس دلانا ہے کہ اس معاملہ میں استاد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

میں تمہیں سب سے پہلے یہ زحمت دوں گا کہ تم جو یہاں سائنس اور آرٹ میں پڑھ رہے ہو، یہ بتاؤ کہ تمہیں سائنس سے دلچسپی ہے یا آرٹ سے، مہربانی کر کے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائیں! ہاں معلوم ہوا کہ اکثریت کو آرٹس سے دلچسپی ہے، اب یہ بتائیں کہ سائنس میں کس کو دلچسپی نہیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ کچھ کانا پھوسی ہو رہی ہے۔ اب ہاتھ اوپر کرو! مہربان! دائی سے اپنا پیٹ نہیں چھپانا چاہئے، ڈاکٹر سے اپنا مرض نہیں چھپانا چاہئے، دوسری صورت میں اپنی صحت کے سلسلہ میں آپ ڈاکٹر پر الزام نہیں دے سکتے۔ آپ کو ہر بات بتانی پڑے گی۔ جب تک ہم کھلے دل سے ایک دوسرے سے بات نہیں کریں گے، اس وقت تک سیکھ نہیں سکیں گے اور نہ ہی سکھا سکیں گے۔ یہ احساس کمتری ختم ہونا چاہئے۔ سب سے پہلے میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ آپ کو بھی کم علمی کے بارے میں شرم محسوس نہیں کرنا چاہئے۔ میں آپ سے عمر میں بڑا ہوں۔ میری عمر کا بڑا حصہ کتابوں کے مطالعہ اور دنیا کے لوگوں سے رابطہ میں گذرا ہے۔ اگر مجھے اپنی کم علمی پر شرم نہیں ہو رہی ہے تو پھر تمہیں بھی شرم نہیں ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مسلمان کی پہلی تعلیم یہی ہے۔ امام غزالی جیسا شخص جس نے تقریباً ایک سو کتابیں لکھیں۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ میں نے ہر چیز آنکھوں سے دیکھی ہے، جسے تم راز (Mystery) کہتے ہو۔ اس نے زندگی، روح، جنت، دوزخ اور ہر چیز دیکھی۔ لیکن

اس کے باوجود وہ آخر میں لکھتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ اللہ بہتر جانتا ہے، میں نہیں جانتا۔ جب انسان خودشناس ہو جاتا ہے تو وہ یہ جاننے لگتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔

جدید دور کے سائنسدان اسے (Epistimlogy) کہتے ہیں، معرفت کے اصول کہتے ہیں۔ ہم کیا اور کتنا جانتے ہیں۔ اس کا فیصلہ مجھے اور آپ کو کرنا ہے۔

یہاں نفسیات کی ماہر ایک خاتون بیٹھی ہے، جو ہمیں ہمیشہ بتاتی رہتی ہے کہ ہم کتنا اور کس طرح جانتے ہیں، اس لئے ہم سب ایک ہو کر خصوصا، پاکستان میں یہ معرفت حاصل کریں۔ دوسرے لوگ بھلے دعویٰ کریں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ لیکن ہمیں اس دعویٰ سے پرہیز کرنا چاہیئے اور اپنی کم علمی کے اظہار کے سلسلہ میں حجاب اور شرم محسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ ہم جب تک اپنی جہالت کا اعتراف نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہمارے لئے سیکھنا ممکن نہیں۔

طبعیات کا کوئی استاد یا شاگرد موجود ہے۔ جو ہمیں بتائے کہ ایٹم کا مرکزی نکتہ کیا ہے۔ جس کے گرد الیکٹران گردش کرتے ہیں۔ نیوکلس! لیکن کیا اس کا بھی سائنس سے تعلق ہے۔ کیا یہاں بائیلاجی، زولاجی، یا فزیالاجی کا کوئی پروفیسر یا شاگرد موجود ہے! اچھا، میں آپ کو سادہ الفاظ میں بتاؤں گا کہ طبعی دنیا میں ایٹم کا جو مقام ہے، وہ حیاتیاتی زندگی میں خلیہ کا مقام ہے۔ حیاتیات میں خلیہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح ایٹم مرکزی نکتہ ہے، جس کے گرد الیکٹران چکر کاٹتے ہیں۔ عام طور اسکو نیوکلس (Nucieus) کہتے ہیں۔ اب حیاتیاتی ایٹم کے گرد پروٹوپلازم (Proto Plasm) ہے۔ بہر حال ہر جگہ طبعی، حیاتیاتی اور ذہنی دنیا میں ایک مرکزی نکتہ ہے، جس کے گرد کوئی چیز گردش کر رہی ہوتی ہے، جس کی میں مثال دے رہا ہوں کہ کوئی اہم چیز ہے جو

Marfat.com

تمام چیزوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔ مثلاً، سر کل، سب سر کل، اور ریڈیا(Radia) حتیٰ کہ سورج کو بھی ریڈیا اور مرکز ہے۔

اب میں اساتذہ سے پوچھتا ہوں کہ طریق تعلیم کا مرکزی نکتہ کیا ہے۔ نفسیات کے ماہر جانتے ہیں کہ کسی بھی چیز کی معلومات کے لئے دلچسپی(Interest)ضروری ہے۔ جب تک فرد میں دلچسپی پیدا نہیں ہو گی، اس وقت تک سیکھنا سکھانا ممکن نہیں ہے، جب میں یہ کہتا ہوں کہ آج دنیا نے تمہارے لئے چیلنج پیدا کر دیا تو تم نالاں ہوتے ہو، تم نے (Material- dialectic) جیسا کوئی لفظ سنا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں۔ یہ لفظ خصوصاً کمیونسٹ بہت دلچسپی سے استعمال کرتے ہیں۔ کیوں ؟ کیا اس میں کوئی حقیقت ہے۔ بظاہر یہ لفظ استعمال کے وقت معلوم ہوتا ہے۔ میٹریل ڈائیلیکٹک، تم اسے مادہ کا علم منطق یا ذرہ کہو گے۔ اب دو چیزیں جیسا علم نفسیات کا ماہر کہے گا کہ دو بنیادیں۔ ایک دماغ اور دوسرا مادہ یہاں (Dialectic) ذہن مادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں عجیب تضاد ہے۔ جسے شیکسپیئر نے آسان لفظوں میں بیان کیا ہے، مجھے معلوم ہے کہ آپ میں سے کس نے شیکسپیئر کا ہنری چوتھا(Henry thefourth)ڈرامہ پڑھا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ شیکسپیئر کے ڈرامے پڑھیں۔ میں آپ کو اپنے حوالے سے راز کی بات بتاتا ہوں کہ میں نے انگلینڈ کی تاریخ کے بارے میں جو معلومات حاصل کی ہے، وہ شیکسپیئر کے ڈراموں سے ہی حاصل کی ہے۔ میں نے انگلینڈ کی تاریخ کے بارے میں مسٹر گرین میکالی اور دوسروں کی کافی کتابیں پڑھی ہیں، لیکن انگریز بادشاہوں کی تاریخ میں نے شیکسپیئر کے ڈراموں سے ہی حاصل کی ہے۔ ہنری چوتھا شیکسپیئر کا لکھا ہوا ایک ڈرامہ ہے۔ جس میں ہنری چوتھا کا بیٹا ہنری پانچواں ایک فوجی جرنل ہیری

Marfat.com

ہاٹسپر سے لڑتا ہے، جو ایک بڑے خاندان کا امیر ہے جسے وہ مارتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے باپ کے خلاف کام کرتا ہے اور وہ دوسرے بادشاہ کے لیئے لڑتا ہے، جب ہیری ہاٹسپر زمین پر گر جاتا ہے تو اس کی زبان سے کچھ الفاظ ادا ہوتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ انگریزوں نے ان کے ان الفاظ کا نوٹس نہیں لیا ہے۔ آپ میں سے کم افراد نے ان الفاظ پر غور کیا ہوگا۔ وہ جب موت کے قریب ہے تو اس وقت کہتا ہے کہ سوچ زندگی کی غلام ہے نیز زندگی کا یہ دور بیہودہ قوفانہ دور ہے۔ اب اس نے دیکھا کہ زندگی ہاتھ سے جا رہی ہے اور وقت جو زندگی کا حاصل ہے، اس کا اختتام ہوتا ہے تو وہ الفاظ ادا کرتا ہے، جن کا تعلق میرے پہلے جملے سے ہے، وہ یہ ہے کہ خیال زندگی کا غلام ہے۔ خیال زندگی کا کس طرح غلام ہے۔ تم اس کے بارے میں کیا سوچتے ہو! میں نے تمہیں تھوڑا پہلے مادہ سے متعلق کمیونسٹ محاورہ سنایا۔

لیکن شیکسپیئر کے ان بہترین الفاظ کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔ جو اس نے تین سو سال پہلے ادا کیئے تھے کہ خیال زندگی کا غلام ہے۔

یہ نظریہ دراصل ارتقا کی طرف لے جاتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ انسان کی مرضی اور خواہش مین کتنا گہرا ربط ہے۔ تم نے دیکھا کہ انسان کے اندر کوئی نہ کوئی خواہش موجود ہے، تم اپنی زندگی کے ابتدائی دور کو دیکھو! ذہن کو چھوڑ دو، میں بائیلاجی کے شاگرد سے پوچھتا ہوں کہ تم ایک مینڈک کا سر کاٹ کر اسے الگ کر کے اس کی ٹانگ پر تیزاب ڈالو گے تو دیکھو گے کہ وہ دوسری ٹانگ سے اسے ہٹانے کی کوشش کرے گا اگرچہ اس کا سر کٹا ہوا ہے۔

زندگی کے ارتقا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرضی، خواہش اور شعور

Marfat.com

سے پہلے کوئی حقیقت موجود تھی۔ کوئی امر شروع سے جاری ہے، جو مٹی، پانی، اور بادلوں میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے ترقی کرتا رہتا ہے۔ اب جو حقیقت زندگی کو وجود میں لائی ہے، یا وہ درخت کے پتے کی طرح اس کے ساتھ متصل ہے۔ جو کسی صورت میں فنا نہیں ہوگی۔ اس چیز کو جسے ہم زندگی کہتے ہیں وہ اس کے خیالات پر حکمرانی کرتی ہے، خیال اس کے بعد آتے ہیں، خیالات پہلے نہیں آتے، اس لئے زندگی خیالات پر حکمرانی کرتی ہے۔

شیکسپیئر کہتا ہے کہ ابتدا میں خیال زندگی کا غلام رہتا ہے، خیال ان چیزوں کے بارے میں کارفرما رہتا ہے، جو زندگی کے بارے میں مدد و معاون ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہماری سوچ کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس لئے خیال زندگی کا غلام ہے جو زندگی کے ماتحت چلتا ہے۔

ہمارے ہاں عام محاورہ ہے کہ خواہش کی سوچ! خواہش کی یہ سوچ کیا ہے؟ پہلے چاہنا، اس کے بعد سوچنا، بہت کم لوگ ہوں گے، جو زندگی کے عمومی نقطہ نگاہ کے خلاف سوچتے ہوں گے اور زندگی کو خیالات کے تابع بناتے ہوں گے، اکثریت کی حالت یہی ہے کہ ان کے خیالات ان کی زندگی کی خواہش کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کے لئے حقیقت یا سچ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ کسی طور زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔ چاہے چوری کر کے۔ جھوٹ بول کر، کسی کو قتل کر کے بھی اپنی زندگی گذارنا چاہتے ہیں، ان کی ساری سوچ زندگی کے لئے ہے۔

اسی طرح کمیونسٹ کہتے ہیں کہ تم گھوڑے کو گاڑی کے پیچھے باندھتے ہو۔ خیال زندگی کا غلام ہے، ہمارے یہاں ایک محاورہ ہے کہ خیرات کی ابتدا اپنے گھر

Marfat.com

سے کرنی چاہیئے۔

تم جانتے ہو کہ میں داد و فریاد کر رہا ہوں کہ خیال ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اس وقت معاشرہ نفسی خواہشوں کے تحت ابھرنے والے خیالات کا غلام بن چکا ہے۔ ارتقائی عمل میں ایک مرحلہ دوسرے مرحلے کے تابع رہتا ہے، مولانا روم کے قول کے مطابق فنا ضروری ہے تاکہ اس سے بقا حاصل ہو۔ فنا ارتقا کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ یہ ضروری شرط ہے اس کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اب استاد کو دیکھنا ہے کہ تعلیم کے وہ سارے طور طریقے اچھے ہیں کہ حساب کس طرح سکھایا جائے اور انگریزی کس طرح پڑھائی جائے۔ لیکن اس کے لئے جو مرکزی نکتہ ہے، وہ شاگرد میں شوق پیدا کرنا ہے۔ دوسری صورت میں وہ سیکھ نہیں سکے گا اور سیکھنے سکھانے کے سارے طریقے غیر مؤثر ہو جائیں گے۔ شوق کے بعد ہی دماغ کو جلا ملتی ہے۔ اس کا خیال زندگی کے تابع ہے۔ شوق اور طلب ہی ایسی چیز ہے، جو اس کی زندگی میں تحرک برپا کرتی ہے، اس طرح سوچ اس پر حکمرانی کرتی ہے اور اس کے اندر فہم پیدا کرتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ کچھ بھی سمجھ نہیں سکے گا اور استاد کے فیض سے محروم ہوگا۔ اس لئے یہ مرکزی نکتہ ہے کہ شاگرد میں شوق اور طلب پیدا کر کے اسے بیدار کیا جائے۔

جب تک ایسا نہیں ہوگا اس وقت تک استاد اپنی ساری قوت کیوں نہ صرف کر ڈالے، کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جیسا کہ میں کئی سالوں سے کہہ رہا ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ لاحاصل رہا ہے۔ استاد کی طلب ہے کہ مجھے زیادہ تنخواہ چاہیئے، ایسی صورت میں آخر اس گفتگو کی کیا ضرورت ہے۔ کچھ زیادہ پیسے مطمئن کر دینگے۔ اس کے باوجود چیخ پکار

جاری ہے کہ سوچ تبدیل ہو جائے اور ایسی صورتحال پیدا ہو جائے جس سے نقطہ نگاہ بدل جائے۔ علامہ اقبال نے کہا ہے

میری دعا ہے کہ تری آرزو بدل جائے

اس وقت تمہاری جو آرزو ہے۔ وہ حیوانی آرزو سے مختلف نہیں۔ اب ماہر نفسیات خاتون بتائے گی کہ حواس کے فہم میں فرق ہے۔ مثلاً آنکھیں دیکھنے کی حس رکھتی ہیں، لیکن ان کے دیکھنے میں بھی فرق ہے۔ کیونکہ چاہت میں فرق ہے۔ اس لئے ہم ایک ہی چیز کو مختلف نظروں سے دیکھتے ہیں۔

ایک کتاب یکساں دلچسپی کی موجود ہے، ایک فرد دیکھ کر کہتا ہے کہ کتنا پیارا رنگ ہے، دوسرا شخص کہتا ہے کہ کتاب دیکھنے میں اچھی لگتی ہے۔ اگر میں اسے بیچوں تو ایک روپیہ نفعہ ملے گا۔ تیسرا شخص کہتا ہے کہ معلوم نہیں اس کتاب میں کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں دلچسپ معلومات ہو، لیکن اس کتاب کے لئے ہر شخص کی حس اس کے فہم کے مطابق کام کر رہی ہے۔

ہر چیز کو اپنے انداز سے دیکھنے کو نقطہ نظر کہتے ہیں۔ ہر شخص کا نقطہ نظر اس کی ذہنی سطح کے تابع ہوتا ہے۔ اب یہاں ایک بہت اہم نقطہ ہے، ہم میں سے اکثر لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ خود کو بڑا آدمی سمجھنے لگتے ہیں، جب ہم گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت دوسری ہے، فرد چاہے بڑا ہو، لیکن اس کا نقطہ نظر بتا رہا ہے کہ اس کی ذہنی سطح اتنی بلند نہیں۔ اب میں مثال کے ذریعہ بات سمجھاتا ہوں۔ دو آدمی میرے پاس آئے۔ ایک نے بتایا کہ اس کا کتا دو دن سے گھر سے غائب ہے۔ کچھ کھاتا پیتا بھی نہیں ہے، وہ گھر سے کبھی نہیں نکلتا، لیکن آج ایسا ہوا ہے،

Marfat.com

جو میرے نزدیک بڑی بات ہے۔ اس شخص کے لئے یہ عجیب امر بڑی بات ہے، جب کہ میں نے کہا، ہاں لیکن یہ کتے کے لئے عجیب ہے۔ اس شخص نے پھر کہا، سارے شاعروں نے پیار کے بارے میں گایا ہے۔ کیا اس سے بڑی اور بہتر قربانی ہو سکتی ہے، اسی طرح ایک دوسرا شخص آیا، اس نے بھی اسی قسم کی کہانی سنائی۔ لیکن اس کے فیصلے کا رد عمل مختلف تھا۔ اس نے کہا کہ محترم قاضی صاحب! مجھے آج سے کتے سے نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ یہ ایک ہی منظر کے دو مختلف رد عمل ہیں۔ دونوں شخصوں نے ایک ہی طرح کے واقعہ سے مختلف نتائج نکالے۔ کیوں؟ اسلئے کہ دونوں کی ذہنی سطح ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ اسی کو ذوق کہا جاتا ہے۔ ہر شخص کا ذوق اس کی ذہنی سطح کے مطابق ہوتا ہے۔ ہم کافی آگے چلے گئے ہیں۔ ہمیں اساتذہ کے طریق تعلیم کے مرکزی نقطے کے بارے میں بات کرنی تھی، یہ ذوق اور طلب ہی ہے جو طلبہ میں تعلیمی استعداد پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اب ہم اس موضوع کو چھوڑ کر شاعری کی طرف آتے ہیں۔ جو آرٹ کی ایک قسم ہے۔

آپ میری مدد کریں گے کہ آرٹس کیا ہے! یہ سائنس سے مختلف کیوں ہے! پھر آرٹس میں بھی کچھ فائن آرٹ ہیں تو کچھ بیکار آرٹ ہیں۔ ان میں کیا فرق ہے۔ پھر مجھے یہ بھی بتائیں کہ شاعری کیا ہے موسیقی کیا ہے اور مصوری کیا ہے؟ یہ فائن آرٹ کیوں ہیں، ان میں زیادہ اہم آرٹ کون سا ہے؟ آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ آرٹ اور فائن آرٹ کیا ہے۔ اور سائنس اور آرٹ میں کیا فرق ہے؟ میرا اندازہ ہے کہ ہمارے پاس آرٹس میں دو سو شاگرد ہیں جو بی-اے اور ایم-اے کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں اور اب ملازمت کر رہے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی مجھے سمجھائے گا! لیکن میں دیکھتا ہوں کہ

Marfat.com

ہر شخص شرمارہا ہے کہ اگر میں کوئی بات کہوں تو شاید وہ غلط نہ ہو جائے۔ لیکن اس میں کوئی بڑے پن یا چھوٹے پن کی بات نہیں۔ جب ہم پر حقیقی علم کا نزول ہوگا تو اس وقت ہم جانیں گے کہ ہم کتنے بے وقوف تھے، پھر ہم سب کی حالت یہ ہوگی کہ ہم اپنے آپ کو ایک دوسرے سے اہلیت میں کم تصور کریں گے اور اس وقت ایک دوسرے پر کوئی ہنسنے والا نہیں ہوگا۔

تم انسان کی اولاد ہو، کوئی خدا نہیں ہو، تم روشنی کی تلاش میں ہو، لیکن اسے مکمل طور پر حاصل نہ کر سکے ہو۔ جب یہ بڑی حد تک ہو جائیگی تو اس وقت تم بڑے شمار ہوگے۔ تم روشنی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اس میں شرم محسوس نہیں کرنا چاہئے، نہ جاننا کمتری نہیں ہے، ہم سب نہیں جانتے جو علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہمارے اپنے الفاظ ہیں جن کے جال میں ہم پھنس گئے ہیں۔ اب اس حقیقت کی وضاحت کی طرف آئیں۔ فائن آرٹ کے لئے ہیگل (Hegal) کو پانچ جلدوں پر مشتمل کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور شلر (Schiller) نے اس کی تفصیل کیوں بیان کی۔ کوبراؤن (Browne) اور بانسکی (Bonsoquay) اور دوسروں نے جمالیات کے بارے میں لکھا ہے، آخر یہ جمالیات کیا ہے۔ بڑھئی اور شاعری میں کیا فرق ہے!

بڑھئی بھی اپنے نقطہ نظر سے الماری بنا کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ بڑھئی اپنے فن میں کامل ہے جو اتنی اچھی الماری بناتا ہے، حیدر آباد شہر میں دوسرا بڑھئی اس طرح کی الماری نہیں بنا سکتا۔ اس کے باوجود حالت یہ ہے کہ الماری کے آرٹ کو سطحی اور سادہ آرٹ کہتے ہیں۔

Marfat.com

شاعری اور عمومی آرٹ میں کیا فرق ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص جواب دینے کے لئے تیار نہیں۔ سب انتظار میں ہیں کہ واضح جواب سنیں۔ جو یہاں سے اٹھنے کے بعد بھلا دیں گے، کیونکہ تمہاری دلچسپی حقیقت سے نہیں ہے۔ زندگی خیال اور فکر کی غلام ہے۔ کسی کے ذہن میں کرکیٹ کے خیال کا غلبہ ہے تو کسی کے ذہن میں دوست سے ملنے کا خیال ہے۔ اس لئے میرے الفاظ الفاظ ہی رہ جائیں گے۔ میں نے پچاس سالہ محنت سے جو کچھ حاصل کیا ہے، کیا وہ لاحاصل ہے اور تم اس سے استفادہ کرنے کے لئے تیار نہیں، یہ بہت بڑا زیاں ہے۔

مجھ جیسا فرد کہے گا کہ بڑھئی کا کام اچھا فن ہے، یہ ایسا آرٹ ہے جس سے انسان کی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ فن انسان کے کام آتا ہے۔ اور ایک عملی فن ہے جب کہ شاعری کسی عملی کام میں استعمال نہیں ہوتی، یہ فقط الفاظ کا زیاں ہے۔ وہ طویل اور فصیح تحریریں کس کام کی ہیں۔ وہ پینے کے پانی کا گھڑا بھی نہیں بنا سکتیں۔ کمہار کا آرٹ بھی مفید چیز ہے لیکن شاعر کیا کرتا ہے! بیچارے شاعر کو یہ علم بھی نہیں کہ وہ کس لئے لکھ رہا ہے، جیسا کہ براؤننگ (Browning) اپنی شاعری کے بارے میں کہتا ہے کہ مجھ سے نہ پوچھو کہ میں کس کے لئے لکھ رہا ہوں کیونکہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ میں نے کیا لکھا ہے جا کر دیکھو کہ میں نے کیا لکھا ہے۔

اب یہ عجیب سوچ ہے کہ ایک شخص کے فن کو فائن آرٹ کہا جائے اور دوسرا شخص جو شعوری طور پر الماری بناتا ہے جو استعمال میں آتی ہے۔ شاعر کے پاس ایسی سوچ نہیں ہے۔ اگر کوئی اس شعور کے ساتھ شعر کہتا ہے تو وہ نام کا شاعر ہے۔ جیسے کہ ہمارے عرب کے شاعر طب کی کتابیں شاعری میں لکھتے تھے۔ لیکن شاعر کو یہ معلوم

نہیں ہوتا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے۔

اب آرکیٹچر کو دیکھو۔ یہ کوئی فضول آرٹ نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ لوگوں کی رہائش کے لئے گھر کا پلان بناتا ہے۔ ایسا پلان جس میں اعلیٰ رہائش کا تصور موجود ہو، لیکن یہ فائن آرٹ نہیں ہے۔ یہ خیال اشیاء کے استعمال کے لئے آرکیٹچر ذہن سے ابھرتا ہے۔ صرف خوبصورتی کا تصور کسی عجیب چیز کے لئے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ بدھ کو مندر کی وجہ سے یاد کیا جائے گا۔ سندھ کی ایک بڑی شخصیت لکھتی ہے کہ موسیقی سے شاعری زیادہ اچھا آرٹ ہے۔ موسیقی راگ کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ چونکہ انہوں نے صرف کافیہ اور غزل موسیقی پر سنے ہیں۔ اس لئے ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ الفاظ کے بغیر موسیقی نہیں ہو سکتی۔ حقیقت میں انہوں نے یہ بات پیر سنی میں لکھی ہے۔ شاعری بڑا آرٹ ہے۔ کیونکہ شاعری کے بغیر موسیقی کچھ بھی نہیں۔ موسیقی اشعار کی میڈیا کے لئے گاڑی کے مثل ہے، دوسری صورت میں موسیقی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اب آپ نے دیکھا کہ ایک ماہر شخصیت کا یہ نقطہ نگاہ ہے۔ اس کے باوجود پوری دنیا میں بحث جاری ہے کہ موسیقی زیادہ بہتر آرٹ ہے یا شاعری! اگر ایسا ہے تو پھر ان میں سے ایک بڑا فائن آرٹ ہے، کیوں؟۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاعری میں دو چیزیں ہیں۔ ایک ٹیکنک یعنی ہنر اور دوم اس کا روح ٹیکنک تلفظ اور ردیف وغیرہ کا پیمانہ ہے۔ یہ شاعری کی ٹیکنک ہے۔ اسی طرح پینٹنگ، موسیقی، اور سنگ تراشی میں ٹیکنک ہے۔ ان چیزوں کے لئے قلم اور برش وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ہنر سیکھنا پڑتا ہے۔ اسی طرح شاعری میں بھی ٹیکنک ہے۔ اب ٹیکنک اور آرٹ کی (Sperit) روح میں کیا رشتہ ہے۔ یہ کیسے ابھرتا

Marfat.com

ہے۔ کیا ٹیکنک شعوری ہے اور روح از خود پیدا ہوتا ہے۔ ان کے درمیان باہم کیا رشتہ ہے؟ یہ سوال نصف صدی سے ذہنوں میں موجود ہے اور اب تک فیصلہ نہیں ہو رہا ہے، جب تک آرٹ سے طبعی رجحان پیدا نہیں ہوتا، اس وقت تک اس سوال کی حقیقت کو سمجھنا مشکل ہے۔ شاعر ہی ہے جو اسے سمجھ سکتا ہے۔ نبی ہی نبی کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

روشنی ہی روشنی کو پرکھ سکتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کو اور کائنات کی چیزوں کو یکساں نقطہ نگاہ اور یکساں سطح سے دیکھتے ہیں۔ جو شخص سطح زمین سے بیس گز نیچے کھڑا ہے اس کے لئے وہ چیز دیکھنا ممکن نہیں۔ اس لئے (Point of View) نقطہ نظر ضروری ہے۔

اب ہم آرٹ اور فائن آرٹ کی طرف آتے ہیں۔ شاعری فائن آرٹ میں آتی ہے۔ اور شاعری میں شاعر فقط ایک چیز دیکھتا ہے۔ مثلاً دو کوے آرہے ہیں اور درخت پر بیٹھتے ہیں۔ میرے پاس شعر ہے۔ دو کوے درخت کی شاخ پر بیٹھتے ہیں۔ میرے لئے وہ کوئی معنی نہیں رکھتے۔ لیکن اس منظر میں شاعر کے اندر میں موجود تخلیقی صلاحیت کی روح سامنے آتی ہے اور شاعر خود کوے کی جگہ لیتا ہے۔ اس طرح کوے کا یہ منظر شاعر کے شعر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اب زیادہ وقت ضائع کیے بغیر جیسا کہ میں نے کہا کہ یہ وقت سارے مضامین مقدمہ ہے! اس لئے میرے لئے ممکن نہیں کہ زیادہ وضاحت کروں۔ اب آیئے، دیکھیں کہ سائنس کیا ہے۔ کیونکہ سائنس کے شاگرد کہیں گے کہ ہمیں مدعو کرنے کا مقصد کیا ہے۔ آرٹ کے شاعروں کے لئے شاعری کی شناخت اس کی خارجی حقیقت

Marfat.com

سے ہو گئی ایک چیز اس نے دیکھی اس میں اپنے آپ کو گم کر کے شعوری کاوش کے بغیر اس نے شعر کہنا شروع کر دیے۔

سائنس آرٹ کے بالکل متضاد ہے۔ سائنسدان تصورات کی دنیا میں داخل نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ خارجی حقیقت کی کشش کے زیر اثر ہوتا ہے، وہ سب سے پہلے اپنی شعوری سطح کو بلند کرتا ہے، خود کو خارجی منظروں سے بڑی حد تک محفوظ رکھتا ہے۔ سائنسدان اس وقت تک کوئی کام نہیں کر سکتا، جب تک وہ خود خارج سے منقطع نہ ہو گا۔ اسے بامقصد شعوری انسان بننا پڑے گا۔ اسے علوم کا شعور ہوتا ہے۔ اس کا حافظہ تیز ہوتا ہے اور وہ ہر چھوٹی چیز کو ایک جداگانہ چیز شمار کر کے دیکھتا ہے۔ اس کے سامنے سینکڑوں چیزیں ہوتی ہیں۔ جتنی زیادہ ترکیب اتنا زیادہ اچھا سائنسدان، ایک پھول کو جتنے زیادہ حصوں میں ترکیب دینے کی صلاحیت ہو گی، اتنا زیادہ فرد اچھا سائنسدان ثابت ہو گا، سائنسدان فکر کے تابع ہو کر نہیں سوچتا، اس نے جس وقت بھی کسی حکم اور فیصلہ کے تحت سوچنا شروع کیا تو وہ اس وقت سائنس کے دائرے سے نکل جائے گا۔ وہ ہر وقت شعوری طور اور ارادے کے ساتھ کام کر کے اشیاء کو ترکیب دیتا ہے۔ اور ایک چیز سے بیسیوں چیزیں پیدا کرتا ہے۔

جب کہ شاعر ساری چیزوں سے ایک چیز بناتا ہے۔ اس لئے شاعر ساری چیزوں کو جمع کر کے ایک تصور پیش کرتا ہے۔ جب کہ سائنسدان ایک چیز سے سینکڑوں چیزیں بناتا ہے۔ پرانے محاورہ کے تحت اس کا تعلق کثرت سے ہے۔ سائنسدان کے ہاں اصطلاحی نقطہ نظر سے تیس کروڑ خدا ہیں، وہ ان سارے خداؤں کی پوجا کرتا ہے۔ ہر چھوٹی چیز کی عبادت کرتا ہے، رات دن اس کا مطالعہ کرتا ہے۔ ہر چیز کو الگ کر کے

Marfat.com

کسی مقصد سے اس کا تجزیہ کرنا اس کا کام ہے۔ اس لئے شاعر اور سائنسدان ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہیں، جو اپنے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کا عزم صمیم رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر سائنسدان شاعر کا مخالف ہے! سائنسدان بھی شاعرانہ احساسات اور سوچ کا حامل ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی شاعر کی طرح خواب دیکھتا ہو اور شام کو شاعر کی طرح تخلیقی فکر کے لئے خلوت میں بیٹھتا ہو۔ اور شاعر بھی اپنی لیبارٹری میں سائنسدان ہو۔ شاعر اور سائنسدان میں یہ فرق ہے کہ شاعر کا کام غیر شعوری اور از خود اور بے ساختہ ہوتا ہے۔ وہ کائنات کا آئینہ بن جاتا ہے۔ ایسا اثر پذیر آئینہ، جس میں وہ اپنے وجود کی معرفت کے بغیر ساری کائنات کو دیکھتا ہے۔ اس وقت اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا وجود موجود بھی ہے، یا نہیں۔

اس سے آپ نے سائنسدان اور آرٹسٹ کے بارے میں جان لیا ہو گا کہ شاعر اپنی شخصیت کو فنا کر دیتا ہے اور سائنسدان کو اپنے وجود کا استحضار ہوتا ہے اور شعوری طور پر مقصد کے لئے مطالعہ کرتا ہے۔

اب ٹیکنک کا سوال ہے۔ کیا شاعر کی ٹیکنک شعوری ہے یا غیر شعوری، ہر شعوری فن والے فرد کو اس بارے میں سوچنا پڑتا ہے، پینٹر کو یہ شعور ہونا چاہئے کہ رنگ اور برش سے پاؤں اور ناک کس طرح بنایا جائے۔ دوسری صورت میں اس کے لئے یہ تخلیق ممکن نہیں ہے۔ لیکن آپ کو تعجب ہو گا کہ شاعر یہ چیزیں خواب میں بناتا ہے۔ اسے خود بھی شعور نہیں ہوتا کہ وہ کس طرح تخلیق کر رہا ہے۔ اگر وہ باشعور ہوتا تو تصویر بگاڑ دیتا۔ اس تصویر کو فن نہیں کہا جائے گا، اس کے سامنے اس سے ایک مقصد پیش نظر ہوتا ہے، وہ اپنی تخلیق کی نوعیت کے بارے میں شعوری آگاہی سے محروم

Marfat.com

ہوتا ہے۔ شاعر اس سلسلہ میں جتنا شعور سے بے بہرہ ہوگا، اس کا آرٹ اس قدر زیادہ بہتر ہوگا۔

مثلاً ایک عظیم شاعر شاہ لطیف کہتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ ردیف اور کافیہ کو ذہن میں رکھ کر سوچتا ہے کہ شعر میں کتنی سطور ہونی چاہئے ؟۔ نہیں، اسے یہ شعوری کیفیت حاصل نہیں تھی کہ شعر میں کتنی سطور ہونی چاہئے۔ کس کا ردیف ہونا چاہئے اور کیا تبدیلی ہونی چاہئے، اس نے جو ہم پر تاثر چھوڑا ہے کیا وہ شعوری کیفیت کا حامل ہے۔ شعوری کیفیت کی حامل شاعری کو مشاعرہ کہا جاتا ہے۔ اب میں نے جب پوچھا کہ سندھ میں چالیس سالوں سے شاعری کے مرکز کیا لکھ رہے ہیں۔ اس کا جواب ملا کہ شاعروں کو ایک سطر لکھ کر دی جاتی ہے۔ اس پر وہ تتبع لکھ کر آتے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ اگر آپ کا تھوڑا سا اثر رسوخ ہے تو انہیں کوئی عنوان یا مضمون دو یہ اس سے بہتر ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس عنوان سے انہیں دلچسپی نہ ہو اور وہ ان کی حس اور ذوق جمال کو متاثر نہ کر سکے، پھر بھی انہیں عنوان ضرور دو یہ تتبع کیا ہے ؟ فقط کافیہ اور ردیف کے ذریعے شعر کو سریلا بنایا جاتا ہے۔ انہیں کم از کم اپنے موضوع پر سوچنے تو دیا جائے۔ دوسری صورت میں شاعری کیا ہے ؟ بلا کسی مقصد کے ایک سطر دے کر ٹیکنکلی طور اپنے انداز سے اس طرح شعر بنانا، شاعری یہ نہیں ہے، شاعر کو پرکھنے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ شاعر ردیف، کافیہ اور پیمانے کا خیال رکھ کر شاعری کی کتاب لکھتا ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ شاعری نہیں ہے عرب بڑے شاعر تھے۔ ان کا سارا کلام شعر تھا۔ انہوں نے علم بدن، علم صحت اور علم طب کے موضوع پر شاعری میں کتابیں لکھی ہیں انہیں زبان پر اتنا عبور حاصل تھا کہ

Marfat.com

اکثر نثر کو نظم میں لکھتے تھے۔ لیکن اسے شاعری نہیں کہیں گے۔ شاعری اس سے بالکل مختلف ہے۔ شاعری کے لئے ٹیکنک اور روح (Spirit) اس کے لازمی اجزا ہیں جنہیں اس سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

اب دیکھیں کہ ہر دور میں پیغمبروں اور عظیم شخصیتوں نے آرٹ پسند کیوں نہیں کیا ہے‘ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ دوسرے درجے کی چیز ہے۔

اس نے لوگوں کا ذہن بگاڑا ہے اور فائدے کی بجائے نقصان دیا ہے۔ قرآن شریف میں بھی ایسا ذکر آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ٹالسٹاء نے اپنے دور میں آرٹ پر تنقید کی ہے، ہر شخص کا مشاہدہ ہے کہ ایسا آرٹ فائدے کی بجائے نقصان دہ ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ آرٹ جب تک اول درجہ کا آرٹ نہیں ہے، وہ کسی کام کا نہیں ہے۔

وہ شاعر جن کی ہم عزت کرتے ہیں۔ انہوں نے ٹیکنک اور شعر کی روح میں کوئی فرق نہیں کیا، ان کے ہاں ٹیکنک اس وقت آئی، جب جذبات کا وقت آیا اور کسی چیز کے مظہر کے بغیر انہوں نے تخلیق کی۔ وہ تخلیق کے وقت لاشعور تھے اور تخلیق کی روح میں فنا تھے اور انہوں نے باور کیا کہ یہ تخلیقی خیال اچانک ان کے ذہن میں وارد ہوا ہے۔ اور جمالیاتی احساس ان پر حاوی ہو گیا ہے۔ دوسری صورت میں یہ ممکن نہیں تھا کہ ایسی کارآمد تخلیق وجود میں آتی۔ اس لئے شاعری فائن آرٹ ہو گئی۔ انسان اپنے فن کا اظہار اس سطح پر کرتا ہے، جب وہ اس کے مطلب سے ناآشنا ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے لئے ٹیکنک اور شاعری کی روح بھی مبہم ہے‘ وہ سارا وقت اس چیز کے عکس کو دیکھتا ہے اور اس میں ضم رہتا ہے۔

Marfat.com

اس میں لطیف کا ایک شعر ہے۔ میرے کچھ دوست اور شاگرد آئے، انہوں نے کہا کہ شاہ لطیف کے "سورٹھ "عنوان کے اس قصے سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور وہ ذو معنیٰ قصہ بیان ہوا ہے اور اس سے مخفی مطلب مراد ہے، اس سے مراد اللہ اور رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رسول ایک شخص کے پاس آتا ہے اور اس سے کوئی چیز مانگتا ہے۔ سورٹھ کا قصہ سناتا ہے کہ ایک فنکار راجا کے پاس آتا ہے اور اس کے محلات کے سامنے نعرہ لگا کر کہتا ہے، میں گاتا رہوں گا، جب تک راجا مجھے اپنا سر پیش نہیں کریں گے، لطیف اس میں لطیف معنیٰ ظاہر کرتا ہے کہ لطیف کے قصہ میں اس طرح کی حقیقت پوشیدہ ہے۔'انا احمد بلا میم یا انسان سری دانا سرہ'.

اس قصے میں لطیف نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن عام افراد کے لئے اس بات کا ادراک مشکل ہے کہ، شاعر کی سوچ کیا ہے۔ اس لئے غلط تشریح کی جاتی ہے۔ شاعر کوئی چیز دیکھ کر شعر لکھتا ہے، اس لئے نہیں کہ وہ اس سے واسطہ رکھتا ہے۔ وہ فقط اس کا نقشہ کھینچتا ہے۔ جو اسے متاثر کرے اور وہ اس کی معنیٰ اپنی سطح کے مطابق کرتا ہے۔

میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ آنکھ فقط وہ چیز دیکھتی ہے جو وہ جانتی ہے انسان وہ دیکھتا ہے جس کے دیکھنے کی اسے اہلیت حاصل ہے، جو میں دیکھ سکتا ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتے۔ ہم سب مختلف سطح پر ہیں۔ اور ہر ایک کا نقطہ نظر الگ ہے۔ افراد کا نقطہ نظر ایک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ افراد کی سطح ایک دوسرے سے جداگانہ ہے، کوئی چیز دیکھتا ہے پھر اپنی سطح کے مطابق اس کی معنیٰ تلاش کرتا ہے، جو اسے دلچسپ لگتی ہے، باقی سارے منظر میں دلچسپی نہیں لیتا ہے۔ ہم کتے کی طرح ظاہر ہوتے ہیں اور پھر غائب ہوتے ہیں

روح باقی رہتا ہے،وہ بھی جو کتے میں ہے جو کھانے کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور دوسرے دن کے لئے ہڈا چھپا دیتا ہے اور مادہ کے پیچھے دوڑتا رہتا ہے۔ یہ سارا عمل ہم بھی کرتے رہتے ہیں۔ پھر آخر ہم کتے سے بہتر کس طرح ہیں۔ اس لئے ہمارے وجود کی شناخت کی معنیٰ کتے کی شناخت ہے، ہم یہی کچھ ہیں۔ باقی سب کچھ دکھاوا ہے، جب تک انسان سنجیدگی سے اپنی امتیازی حیثیت کو محسوس نہیں کرتا، اس وقت تک وہ کتے کی سطح سے بلند نہیں ہو سکتا۔ وہ قرآن شریف کے اس حکم کے مطابق کہ ہم نے انسان کو "احسن تقویم" پیدا کیا ہے تاکہ وہ فرشتوں کے مشابہ ہو جائے۔ دوسری صورت میں ہم انسان کو "تم رددناه اسفل السافلین" میں گرا دیا ہے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم فرشتوں کی بلندی حاصل کرتے ہیں یا کتے سے بھی اسفل حیثیت اختیار کرتے ہیں، اس کے لئے قرآن گواہی دیتا ہے، میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔

آرٹ اور تعلیم کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کی بہتری اور پاکیزگی کی طرف ارتقا ہو نیز انسان کا مرکزی نقطہ بھی یہی ہے۔ فرد اپنی پسند سے پہنچانا جاتا ہے۔ جیسا کہ شیکسپیئر کہتا ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے پہنچانا جاتا ہے۔

کارلائل کہتا ہے کہ اس میں کوئی قباحت نہیں کہ کوئی شخص جوتے بنانے کا کام کرتا ہے۔ یا صفائی کا۔ ضرورت کے تحت یہ پیشے اختیار ہوتے ہیں، ہر فرد کو حلال رزق کمانے کا حق حاصل ہے، یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ افراد کیا پیشہ اختیار کرتے ہیں۔ لیکن فرد کی پہچان یہی ہے کہ اسے سکون کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ جوتے بنانے یا صفائی کے کام سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے بعد باقی وقت وہ کہاں صرف کرتا ہے، ایک امیر چاہے وہ گورنر جنرل ہو، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ شام کے فرصت کے اوقات کہاں

Marfat.com

بسر کرتا ہے۔ اس سے اس کی پسند و ناپسند کا معیار ظاہر ہوتا ہے اور کائنات میں اس کی حیثیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

دوستو! جب تک ہمیں یہ شعور حاصل نہ ہوگا اور ہم دنیا پرستی، مفادات، انانیت اور بڑے پن سے باہر نہیں نکلیں گے، اس وقت تک ہم محروم ہی رہیں گے اور کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے۔ اصل معیار یہی ہے کہ مجھے خوشی اور لذت کس چیز سے حاصل ہوتی ہے اور فرصت کے وقت میری مصروفیات کیا ہیں۔ تم جس کو بھی اپنی پسند و ناپسند کا یہ معیار بتاؤ گے، وہ تمہیں فی الفور بتادے گا کہ تم کہاں کھڑے ہو۔

میں اکثر تعلیمی شعبہ سے وابستہ افراد کو خطاب کرتا رہتا ہوں۔ پڑھنے پڑھانے کے طریقے تو اچھے ہیں، لیکن اصل ضرورت تعلیم کی روح ہے۔ جب تک طلبہ میں مضمون سے دلچسپی کی صورت پیدا نہ ہوگی اور ان کے ذہن صاف نہ ہوں گے، اس وقت تک تعلیم کی روح مفقود ہوگی، یہ ایسا کام ہے جو شروع میں استاد سرانجام دیتا تھا۔ استاد ادیب ہے، تعلیم سے پہلے تادیب نہیں ہے وہ اس کے بعد ہی مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ میں اساتذہ سے کہتا ہوں کہ وہ طلبہ کی دلچسپی کا مرکز معلوم کریں، ان کے ذہن سے غلط خیالات کو نکال کر ذہن کی تطہیر کریں۔ ذہنی شعور ہمیشہ مادہ کے تحت ہوتا ہے۔ اس وقت تک سوچ زندگی کی غلام رہے گی، جب تک سوچ خود حاکم نہ ہو جائے۔ لطیف کے عنوان میں یہی مضمون ہے۔ میں یہ مشورہ دیتا ہوں ان افراد کو جو ظاہری اصطلاحوں میں الجھے ہوئے ہیں۔

شاہ کے سورٹھ کا حاصل خداشناس انسان ہے، جو اپنے دوسرے بھائی کی رہبری چاہتا ہے۔ وہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے آپ کا سر چاہیے۔ وہ اس کی بات نہیں سمجھتا

Marfat.com

چنانچہ وہ کہتا ہے کیا تو مجھے مارنے آیا ہے وہ 'ہاں' کہتا ہے۔ مجھے آپ کا کوئی انعام مطمئن نہیں کر سکتا، میں اس وقت تک گا تا رہوں گا، جب تک تم مجھے اپنا سر پیش نہ کرو گے، سر پیش کرنے کا مطلب ہے، اپنی ذات سے دستبرداری۔

میں آپ کو ایک مثال سے سمجھاؤں گا۔ شمس تبریز مولانا رومی کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں، حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں تلاش کروں، چنانچہ میں نے تمہیں تلاش کر لیا ہے، میں اور کچھ نہیں چاہتا، مجھے صرف اپنا سر دیدو۔ رومی نے سمجھ لیا کہ اس سے ان کی مراد کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ سر حاضر ہے۔ لیکن شاہ بھٹائی کے سر سورٹھ کا راجا کہتا ہے کہ میں ایسے سو سر دینے کے لئے بھی تیار ہوں، جان کی اہمیت ہی کیا ہے۔ میں تو اس سے لھی الحیوان حاصل کروں گا۔ میں یہ بے مصرف جان دے کر زندگی جاوداں حاصل کروں گا، جو میرے لیے بہت نفع بخش سودا ہے۔ جو یہ زندگی دیتے ہیں، وہ اس کے بدلے میں حقیقی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ پیدائش سے موت تک فرمانبردار رہو تو میں تمہیں زندگیٔ جاوداں کا تاج پہناؤں گا۔ قرآن شریف کی آیت ہے "بل توثرون الحیاۃ الدنیا والآخرۃ خیر وابقی" وہ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ اصل تو آخرت کی زندگی ہے۔ قرآن کی نظر میں یہ زندگی اصل زندگی نہیں۔

لطیف نے سر سورٹھ میں یہ تصور دیا ہے کہ راجے مہاراجے یوگیوں کو اپنا سر بھی دیدیتے تھے۔ وہ موسیقی کے ایسے شائق تھے کہ فن کار جو چیز مانگتا تھا وہ انکار نہیں کرتے تھے۔ خودی کے سلسلے میں اقبال پر مسلسل تنقید کی جا رہی ہے کہ خودی کیا ہے اور خودی کا وجود کہاں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دنیاوی زندگی میں خودی کا کیا فائدہ اور

Marfat.com

نقصان ہے۔ اسے ایک سطر میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اقبال کی خودی کی تشریح ایک دو سطر میں خود ان کے الفاظ میں بیان کی جاسکتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل

یہ تیرے لیے صلاح کار کی راہ ہے۔

وہاں تک رسائی کے بغیر فرد کہیں کا نہیں رہتا، شیکسپیئر کہتا ہے یہ ایک منزل ہے۔

Tought is slave of life

life times fool

And Time that surveys all the wolld.

Must have stop.

اب اگر فرد پر پہلی صورت غالب ہے یعنی سوچ زندگی کی غلام ہے۔ اور فرد وہیں کھڑا رہا تو اس سے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہیے۔ جب میں ضمیر، خودی، اور فکری علم کی بات کرتا ہوں تو میں یہ نہیں کہتا کہ یہ حرفِ آخر ہے لیکن جب یہ آخری لفظ ہے، تو ہم کھڑے ہو جاتے ہیں، ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ہمارے خیال زندگی کے غلام ہیں اور ہمارے مفادات ہمارے خیالوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ اور خود پرستانہ سوچ کا غلبہ ہے، ہماری حالت یہ ہے کہ ہم حق اور سچ کے ادراک سے قاصر ہیں اور ہمیں سچ کی یہ تلخی گوارا نہیں۔

'الحق مر' سچ کڑوا ہے اس لئے کڑوی گولی چبانے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ خود پرستانہ سوچ کو ختم کئے بغیر صداقت کی تلاش مشکل ہے، اس طرح کی صورتحال وقار

Marfat.com

انسانی کے منافی ہے اور ایسا فرد جانورانہ سطح کا حامل ہے۔ کتا بھی اتنا خراب نہیں وہ فقط جانور ہے۔ اس میں بھی کچھ سوچ ہے لیکن یہ سوچ اس کی زندگی کے ماتحت ہے۔

انسان میں یہ سوچ اس وقت شفاف اور پاکیزہ ہو سکتی ہے، جب وہ خود پرستانہ سوچ سے بلند ہوگا اس وقت وہ تو وہ انسان بن جائے گا۔

میں نے آپ کے سامنے آرٹ اور سائنس کے موضوع کے مقاصد بیان کئے۔ تمہیں اس کا مطالعہ کرنا ہے کہ آخر یہ مقصد کیسے حاصل ہو۔ اور میری معلومات کا طریق کار کیا ہو؟ کیا میں اسے استعمال کر رہا ہوں۔ نیز کیا میں مقصد کی طرف پیش قدمی کر رہا ہوں یا مقصد سے دوری کی راہ پر گامزن ہوں۔ ایسا تو نہیں کہ روشنی کی بجائے تاریکی حاصل ہوئی ہے۔ یہی وہ معیار ہے جو مقرر ہونا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ میں کہاں کھڑا ہوں اور میری زندگی کا نظریہ کیا ہے۔ اور میرا زندگی کی کس نوعیت سے تعلق ہے۔ اس کے بعد معلوم ہوگا کہ میں انسان ہوں یا مجھے انسان کہلوانے کا حق ہی نہیں، بلکہ میں حیوان ہوں۔

Marfat.com

نظام تعلیم کی نئی تشکیل

خواتین و حضرات! آپ نے تعلیم کے پروفیسر ڈاکٹر نبی بخش کی نہایت دلچسپ اور عالمانہ تقریر سنی، انہوں نے ہمیں برصغیر کے تعلیمی اداروں کی ۱۹۳۵ء سے لیکر اب تک کی تاریخ بتائی، ہم پر اکثر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس سینٹ ہال میں اکثر مثالیت پسندی کی باتیں کی جاتی ہیں اور آسمان اور زمین کی درمیانی فضا میں اڑنے کی گفتگو ہوتی ہے۔

مجھ پر ذاتی طور پر غیر معمولی مذہبی فرد ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ یہ مقالہ جو آپ نے سنا، اس میں اس طرح کی کوئی بات نہیں، جس کا الزام لگایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر بلوچ نے آپ کو خشک اور حقیقی باتیں بتائیں، انہوں نے یہ بات بتانے کی کوشش کی کہ ہم نے پڑھنے سے کس طرح انکار کیا۔ یہ ہمارا تجربہ ہے، لیکن بدقسمتی سے تاریخ ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کے خلاف میکاولی کے سخت اور ناشائستہ بیان کا بھی حوالہ دیا، جس میں ہندستان میں ایک سو سال پہلے کے اداروں اور مذہب کا ذکر کیا گیا ہے۔

میں یہاں میکاولی کے بارے میں ایک نکتہ کی وضاحت کرنے کی کوشش کروں گا۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ہندستان میں تعلیم کو عام کرنے سے پہلو تہی میں میکالی شہنشاہت سے متاثر تھا۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں، بلکہ اس وقت ہر انگریز شریف فرد کی سوچ یہی تھی، یہاں تک عام لوگ بھی اس معاملہ میں ان کے ہمنوا تھے۔

Marfat.com

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک روشن روح حضور اکرم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے تعلیم کے لیے یہ حکم دیا تھا، جسے ہم نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ ابتدائی دور کے مسلمانوں نے اس حکم پر عمل کیا، اس کے بعد یورپین بالخصوص جرمن قوم اس معاملہ میں پیش پیش ہے اور وہ ہر شعبہ میں قائدانہ کردار ادا کر رہی ہے۔

ڈاکٹر بلوچ صاحب نے دوسرا جو نکتہ بیان کیا، وہ یہ ہے کہ تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہیے، انہوں نے بہت سے تعلیمی ماہروں کی آراء کے ذریعہ ثابت کیا کہ تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہیے۔ میں یہ بات گوش گذار کرنا چاہتا ہوں کہ کیا تعلیم کا کوئی دوسرا طریقہ کار بھی موجود ہے؟ ماں جو فطری طور پر بچے کی اولین استاد ہے۔ کیا وہ اسے اپنی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں سکھا سکتی ہے؟ نفسیات کا ماہر گفتگو کا آغاز یہیں سے کرتا ہے۔ ہماری زندگی کے ابتدائی سات سال میں ہمیں مادری زبان میں جو تعلیم دی جاتی ہے، وہ ہماری تعلیم کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ ماہرین نفسیات سے بہت پہلے گوئٹے نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابتدائی سات سال کے دوران جو باتیں سیکھیں تھیں، وہ اس سے محو نہیں ہوئی ہیں۔ حقیقت میں یہ ابتدائی تعلیم وتربیت ہی ہوتی ہے، بہت خوب کہا گیا ہے کہ الجنۃ تحت اقدام الامہات 'جنت ماں کے پاؤں تلے ہے۔ جنت اور دوزخ کے سامان کی تیاری میں محض ہمارا کردار ہی نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ماں کا بھی اہم کردار ہوتا ہے، جنہوں نے ہمیں جنم دیا ہے ہمیں پالا پوسا ہے، وہ ہماری زندگی کے نہایت فیصلہ کن دور کی استاد ہیں، عمر کا یہی وہ دور ہوتا ہے جس مین استاد کے حوالے کرنے سے پہلے والدین بچے کو پیار اور شفقت سے سکھاتے ہیں، استاد ادیب جو انکی اخلاقی کمزوریوں کو دور کرتا ہے اور انہیں شعوری تعلیم دیتا اور ضوابط کا پابند

Marfat.com

بناتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ 'جور استاد بہ زمہر پدر' یعنی استاد کی سختی باپ کی شفقت سے بہتر ہے۔

تعلیم ذہن کے لئے خوراک کا ذریعہ بنتی ہے، جس طرح انسان کو خوراک اور ورزش کی ضرورت ہے، اسی طرح اسے ذہنی خوراک کی بھی ضرورت لاحق ہوتی ہے، نفسیات کا تعلیمی ماہر ایک فرد کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی مشورہ دے سکتا ہے کہ کون کس قسم کی خوراک جذب کر سکتا ہے، اسی طرح فزیشن بھی فرد کو خاص قسم کے کھانے کا مشورہ دیتا ہے۔

تعلیم ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض کی گئی ہے، یہ عورت کے لئے بھی لازم کی گئی ہے، کیونکہ وہ ابتدائی سالوں میں اپنے بچے کی استاد ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم بچوں میں صحیح تعلیم منتقل کرنے کے سلسلہ میں کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں، تعلیم اپنے اعلیٰ مفہوم میں قرآنی الفاظ کے مطابق فرد کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اندھیرے سے نکل کر روشنی کی طرف آتا ہے "یخرجھم من الظلمات الی النور" قرآن کے مطابق تعلیم کا مقصد یہی ہے۔ موجودہ اصطلاح میں ہم جسمانی، ذہنی، اور روحانی تعلیم کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ لیکن آئیں، ان الفاظ پر غور کریں۔ ہم تفہیم کی خاطر جسمانی تعلیم کو جسمانی تربیت، ذہنی تعلیم کو دماغی تعلیم اور روحانی تعلیم کو روح کا تمدن کہتے ہیں۔ لیکن یہ امتیاز ان لوگوں کے لئے ہے جو بیدار دل کے ساتھ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ لیکن بد قسمتی سے اس وقت ہماری جو عمومی حالت ہے، وہ یہ ہے کہ ہم دماغ سے کورے ہیں یا وہ معطل حالت میں ہے۔ ہمارے بچوں میں سیکھنے اور سمجھنے کا کوئی رجحان موجود نہیں۔ اس اعتبار سے وہ گونگے ہیں۔ جب کہ یورپ کے بچوں کی

Marfat.com

حالت یہ ہے کہ وہ اپنے اردگرد کی اشیاء کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اپنے والدین سے مسلسل سوال کر کے انہیں تھکا دیتے ہیں۔

امام غزالیؒ جو تقریبا چار سو کتابیں لکھ کر ۵۲ سال کی عمر میں انتقال کر گئے، انہوں نے اپنی زندگی میں محسوس کیا کہ ان کے ذہن کو خوراک چاہیے، جو بغداد میں موجود نہیں تھی، اس لئے اپنا گھر اور وطن چھوڑ کر وہ دوسرے علاقہ میں ہجرت کر گئے اور کافی وقت وہیں گذارنے لگے۔ اسی طرح مسلمانوں نے دوسری زبانوں کی کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ انہوں نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ ان کا ذہن بیدار تھا اور انہیں ذہنی خوراک کی ضرورت محسوس ہوئی، وہ جتنی زیادہ ذہنی خوراک حاصل کرتے گئے ان کی یہ طلب اتنی زیادہ بڑھتی گئی۔ اس لئے ان کی یہ دعا تھی 'رب زدنی علما' اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر۔

"مزید روشنی" یہ گوئٹے کے آخری الفاظ تھے۔ وہ کون سی روشنی تھی، وہ وہ روشنی تھی، جو قرآنی اصطلاح میں فرد کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتی ہے، اس طرح کا فرد محض جسم کی ضروریات کی تکمیل میں زندگی صرف نہیں کرتا۔ وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ میں اس خدائی کائنات میں اپنے ذہنی ارتقا کی سمت میں سفر کیسے جاری رکھوں، یہ سفر محض جسم کو اہمیت دینے سے طے نہیں ہو سکتا۔

چگونہ طوف کنم در فضائی قدس
کہ در سنواء چم ترکیب تخت بنہ تنم

امام غزالیؒ کو اس شخص پر رحم آتا ہے، جسے آسمان کی طرف دیکھ کر ان چمکتے ہوئے ستاروں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، پھر وہ ستاروں کی اہمیت پر غور و فکر کے بغیر

گردن نیچے کرتا ہے۔ چاند ہمیشہ اپنی جگہ قائم رہا ہے، لیکن انسان کو اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کتنا وقت لگا۔ ہمیں یہ پوچھنے اور معلوم کرنے کی تمنا ہی نہیں ہے کہ یہ کس مقصد کے لئے ہیں اور ان کی تخلیق کیوں ہوئی ہے۔ انسان کو اس لئے تو پیدا نہیں کیا گیا کہ نیم مردوں کی طرح زندگی گذار کر ساٹھ سال کے بعد مر جائے۔ انسان کی تخلیق میں جسم کو ثانوی حیثیت حاصل ہے۔

اداروں کے بارے میں ماضی میں مسلمانوں کا جو طرز فکر تھا۔ بد قسمتی سے اس سلسلے میں اب ہمارا وہ نقطہ نگاہ نہیں رہا، اگر جسمانی خوراک میں صرف ہونے والا چوتھائی حصہ بھی ذہنی خوراک کے لئے صرف کریں تو ہم آسانی سے ملک کے تعلیمی مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ بچوں کو اس لئے پڑھایا جاتا ہے تاکہ وہ آگے چل کر اقتدار حاصل کرنے کے قابل بن سکیں، تاکہ وہ افراد جن کے مقابلے میں وہ کمزور ہیں، جن سے وہ اپنی ذہنی ارتقا کے سلسلے میں استفادہ نہیں کر سکتے، انہیں وہ ہراساں کر سکیں۔

حقیقت میں ایسے لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ اور حالت نیند میں ہی گفتگو کر رہے ہیں اور اپنے معصوموں کا مستقبل تباہ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگ جب حقیقتاً بیدار ہوں گے تو ان کی اولین پکار ہو گی۔ 'رب زدنی علما'۔

ہم یہاں بجلی کے بلب کی روشنی کے لئے مضطرب ہیں، جو فقط جسمانی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ لیکن روح کی روشنی جو حقیقی روشنی ہے، اس کے بارے میں بالکل فکر مند نہیں، افسوس کہ ہمیں یہ ادراک ہی نہیں رہا کہ ہمارے مذہب کا آغاز ہی اس وقت ہوتا ہے، جب جسمانی آنکھیں اپنا کام مکمل کرتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ

Marfat.com

السلام کہتے ہیں، مجھے وہ چیزیں متاثر نہیں کرتیں جو غائب ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ لاحب الآفلین۔

چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حقیقت سورج، چاند، ستاروں سے پس پردہ ہے۔ جسمانی آنکھیں جو دیکھتی ہیں، وہ حقیقت نہیں ہے؟ کیا ہمیں احساس ہے کہ ہماری کم بختی کا سبب کیا ہے؟۔ افراد کو ایسی خوراک مل رہی ہے، جس سے ساری سوسائٹی مریض ہو گئی ہے، دراصل یہ ساری صورتحال غلط نظام تعلیم کی پیدا کردہ ہے اور اسی کے اثرات بد ہیں۔ ہمیں بچوں کو صحیح اور بہتر ماحول فراہم کرنا ہے۔ ایسا پاکیزہ ماحول، جس کے پاکیزہ اثرات وہ جذب کر سکیں، جس سے ان کے ذہن کی صحیح تعمیر ہو سکے، لازمی تعلیم یعنی زور زبردستی سے حقیقت نہیں سکھائی جا سکتی، وہ بنیادی حقیقت جو قرآن نے سکھائی ہے لا اکراہ فی الدین' کو سمجھنا چاہیے۔

ہم دوسری قوموں پر فوقیت کے بارے میں باتیں کرتے رہتے ہیں، لیکن اس وقت ہم یورپین اور امریکا سے پسماندہ ہیں۔ یقیناً ہم ایک دن ان سے آگے تھے، ہم نے انہیں بہت کچھ سکھایا، لیکن اب ہم سوئے ہوئے ہیں۔ ہم کو بیدار ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنے سماجی حالات کا مکمل تجزیہ کر کے اس کی تشخیص کرنی چاہیے، اس سے آدھی بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

اپنا احتساب کیجئے! چھوٹی چھوٹی بے معنیٰ چیزوں 'میری زبان' اور 'دوسروں کی زبان' جیسے مسائل پر جھگڑنے سے پرہیز کرنی چاہیے۔ ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اس ملک کو جن ذہنوں کو بیدار رکھنا ہے انہیں خوراک بھی پہنچانی ہے۔

Marfat.com

اتحاد کیلئے تفکر اور خاموشی کی ضرورت

شاگرد یونین کو خطاب

میرے محترم پروفیسرز، شاگرد، خواتین و حضرات! اسطرح کی تقریبوں کے مواقع پر میں نے دوسرے مقامات پر دیکھا ہے کہ مقرر وہاں زیادہ جوشیلی اور فصیح تقریر کرتے ہیں، لیکن میں یہاں شام کو خاموشی سے سہا ہوا آیا، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ آج ہم کہاں کھڑے ہیں۔ یونیورسٹی میں میرا ڈھائی سالہ تجربہ اسکا شاہد ہے، پچھلے ۱۸ ماہ سے ہر ہفتہ گفتگو کرتا رہتا ہوں، یہاں گفتگو مسلسل ہوتی رہتی ہے، لیکن اس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے، میں آج شام کو اپنے ذہن میں یہ سوچ کر آپ لوگوں کو بتانے آیا ہوں کہ ہماری یہ گفتگو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ تفکر اور خاموشی کامیاب ہو جائے، پچھلے ہفتے کراچی میں جو گفتگو اور تقریریں ہوئیں، انھوں نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ تقریر سے کوئی خاص فائدہ نہیں حاصل ہوتا، اگر پانچ منٹ خاموش بیٹھ کر تفکر کیا جائے تو یقیناً بہت ساری تقاریر سے یہ بہتر ہے، آج کل ساری دنیا میں ریڈیو چوبیس گھنٹے تک چلتا رہتا ہے، روزانہ اخبارات میں بڑی سرخیوں سے خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ان کا مقصد صرف لوگوں کو گمراہ کرنا ہے، آج کل مقرر بہتریں تقریریں کرتے ہیں، لیکن ان سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

ایک پرتشنا (Inaugration) کے موقعے پر میں نے پرتشنا کی معنی سمجھائی

تھی، میں نے کہا تھا کہ (Augury) قبل از وقت آگاہی سے ماخوذ ہے، جب تک آپ کی یونین شرائط پورے نہیں کرتی تو یہ قبل از وقت آگاہی (Augury) کے لئے مفید نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ پچھلے ہفتے کیا حشر ہوا۔ تقریب رونمائی کے بعد بجائے یونین یعنی اتحاد کے تقریباً چھ ماہ تک نفاق جاری رہا۔ شاگرد (مرد اور خواتین) اور پروفیسر ہر وقت آپس میں لڑتے رہے، یونین کی پہلی تقریب مجھے یاد آئی، جب میں انگلینڈ سے واپس لوٹا تھا۔ دوسری تقریب رونمائی میڈیکل کالج کی یونین کی ہوئی، جس کی کارگردگی کے بارے میں بہت کم سنا ہے، اس لئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس تیسری تقریب کے موقعے پر میں خاموش اور سہما ہوا آیا ہوں اور یہ امید رکھ کر آیا ہوں کہ یہ تقریب تمہارے اندر اتحاد پیدا کرے گی، جیسا کہ میں نے کہا کہ اس وقت لوگ خاموشی اور تفکر کے معاملہ میں پیچھے ہیں، تفکر اور خاموشی بھی ایک طرح کی گفتگو ہی ہے۔ فطرت اپنا اظہار خاموشی سے کرتی ہے، کراچی میں میں نے اپنی تقریر میں حافظ کا حوالہ دیا تھا، جو کہتا ہے۔

بصد بلبل و قمری اگر ننوشی مئی
علاج کہ کنمت آخر الدواء کئے

یعنی اگر بلبل اور قمری کے آواز سے سرور حاصل نہیں ہوتا اور شراب سے نشہ نہیں ہوتا تو پھر اس کا کیا علاج ہے، اس کا یہ علاج ہے کہ اسے داغ دیکر ختم کیا جائے۔

اسی طرح بلبل اور قمری کا آواز بھی متاثر نہیں کرتا، مجھے اقبال کی ایک لائن یاد آئی، میں نے یونیورسٹی کے اردو پروفیسر سے پوچھا کہ مہربانی کر کے بتاؤ کہ یہ شعر کس کتاب میں ہے، جو میرے ذہن سے نکل گئی ہے، وہ ایک لائن یہ ہے۔

Marfat.com

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو

سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر

اگر اللہ تعالیٰ آپ کو فطرت شناس دل دے تو پھر کوشش کر کے گل لالہ اور گلاب کے پھول کی خاموشی سے گفتگو کرو۔

پہلے سکوت پھر فطرت کا مطالعہ کرو جو، خاموشی سے گفتگو کرتی ہے۔ لالہ گل کو زبان نہیں ہے، لیکن وہ گفتگو کرتی ہے، گلاب کے پھول کو زبان نہیں ہے، لیکن وہ بھی بات کرتا ہے۔ اس لئے خاموشی کی زبان سیکھو، بلبل اور قمری کی چھوڑو، جو گفتگو کرتی ہیں اور گاتی ہیں۔ لالہ گل کی خاموشی کی طرح گفتگو پیدا کرو۔ میں نے کتاب میں دیکھا کہ دو تین سطریں اور بھی ہیں جو نہایت دلچسپ اور موقعہ بر محل ہیں، میں نے سوچا کہ یہ موقعہ ہے کہ ان کے بارے میں گفتگو کی جائے۔ پہلے میں اقبال کے اس کلام کے تاریخی پس منظر کے بارے میں کچھ بتانا چاہوں گا کہ اقبال نے یہ اشعار کہاں پڑھے۔ اقبال ۱۹۳۴ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلینڈ آئے تھے، لندن میں مقیم کئی مسلمان ان سے ملاقات کے لئے ان کی رہائش پر آئے تھے۔ مسٹر محمد علی جناح، اقبال کے سامنے بیٹھے تھے، ہم سب میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر حیات ملک صاحب نے علامہ کے بارے میں تعارفی کلمات کہے۔ سر تھوڈور موریسن (Theo-dore Morrison) نے اقبال کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ہمارے آرنولڈ (Arnold) کے شاگرد ہیں، اس کے بعد اقبال نے کھڑے ہو کر گفتگو کی، سب سے پہلے انھوں نے کہا کہ میں نے مذہب۔ متعلق جو کچھ سیکھا ہے، وہ اپنے والد صاحب سے ہی سیکھا ہے، علامہ سر تھوڈور موریسن کے تاثرات کا جواب دے رہے

Marfat.com

تھے، پھر علامہ، نے کہا کہ آج میں اپنے بیٹے جاوید کے خط کا جواب دے رہا تھا، کچھ سطور میں نے لکھی ہیں، جو آپ کو سنانا چاہتا ہوں، وہ خط علامہ نے ۱۹۳۴ء میں جاوید کے نام لکھا تھا، جس کی اس وقت عمر ۲۴-۲۵ سال ہو گی، پھر اقبال نے وہ اشعار پڑھ کر سنائے جو، اب "بال جبریل" کتاب میں شامل ہیں۔

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر

نیا زمانہ نئی صبح و شام پیدا کر

دنیائے عشق میں اپنا مقام پیدا کر کے اپنے لئے نیا زمانہ نئے شب و روز پیدا کرو۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس قوم سے مخاطب ہیں، کیا جاوید کی معرفت اپنی قوم سے مخاطب تھے؟ اس واقعہ کو انیس سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، جب علامہ نے یہ اشعار کہے تھے، اقبال پر خدا کی رحمت ہو، وہ واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے، جب ہم سب وہاں چائے کا کپ پی رہے تھے۔ محمد علی جناح اقبال کے بالکل سامنے بیٹھے تھے اور ان کے اشعار سن رہے تھے 'دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر، اس واقعہ کو ۱۹ سال گذر چکے ہیں، علامہ کے اس پیام کا ہمارے ہاں کسی نے صحیح ادراک نہیں کیا، علامہ کے ان اشعار کو پڑھا تو جاتا ہے، لیکن ایسے پڑھنے اور گانے سے آخر کیا فائدہ ہے، کیا کسی نے دربار عشق میں یہ مقام پیدا کیا ہے، جس کے بغیر اتحاد ممکن نہیں۔ اقبال نے پھر کہا کہ:

اٹھا نہ شیشہ گراں فرنگ کے احسان

سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

Marfat.com

کیا یہ اشعار سمجھ میں آئے! حضرات! اقبال نے یہ اشعار پڑھے تھے اور میرے کانوں میں یہ آواز اب تک گونج رہی ہے، آزادی کو چھ سال گذر چکے ہیں، لیکن اقبال کے اس پیام کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ اس کے ایک لفظ پر بھی عمل نہیں کیا گیا ہے، وہ کہتا ہے 'خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر' کیا ان لفظوں کی کوئی معنیٰ موجود ہے، کیا وہ ہمیں کوئی نیا پیغام دے رہے تھے؟ وہ تو صرف ہمیں اس بات کی یاد دہانی کرا رہے تھے جو ایک عظیم ہستی حضور ﷺ نے فرمائی تھی 'الفقر فخری' فقر (مسکینی) میرے لئے فخر ہے۔

کارلائل کہتا ہے کہ دوستی کی بنیاد اچھی چیزوں پر ہے، افراد جو خوبیوں سے محروم ہیں، کیا ان کے درمیان دوستی ہو سکتی ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں، کیا یہ ممکن ہے! برے افراد ایک دوسرے کے دوست اس لئے نہیں ہو سکتے کہ وہ غلط راستے پر چل رہے ہیں، دوست ہمیشہ ایک ساتھ چلتے ہیں اور صحیح راہ پر چلتے ہیں، دوستی کے لئے سیدھی راہ ہونا ضروری ہے۔ دوسری صورت میں ہر ایک کے لئے الگ الگ راستہ ہے، جب میں کہتا ہوں کہ میرے مفاد تمہارے مفاد سے الگ ہیں تو پھر ہم سیدھی راہ پر کس طرح چل سکتے ہیں! یہ راستہ جس پر ہم چل رہے ہیں، یہ صراط مستقیم نہیں ہے، اگر ہمارے پاس بیس ہزار شیطان ہیں تو ایسی صورت میں صراط مستقیم کیسی ہو سکتی ہے۔ ہر ایک اپنی راہ پر چلتا ہے، جو دراصل شیطانی راہ ہے۔ یہ بات جو میں نے کہی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک پیام ہے جو تیرہ سو سال پہلے دیا گیا ہے۔ اتحاد کیا ہے؟ اور وہ کیوں ضروری ہے نیز اتحاد کیسے پیدا ہوتا ہے، کیا اتحاد کے بارے میں قرآن شریف میں ذکر ہے، ہاں ایک جگہ ذکر ہے۔

Marfat.com

یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الا وانتم مسلمون واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولاتفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذکنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا. نفاق کا کوئی حل نہیں، سوائے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کے، اس کے بغیر اتحاد ممکن نہیں، قرآن شریف کہتا ہے کہ خدا کی نعمت یاد کرو، اس سے پہلے تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ 'اذ کنتم اعداء' ایک دوسرے سے ہمیشہ لڑتے تھے، پھر ہم نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کی اور تمہیں آپس میں بھائی بھائی بنادیا۔ تم رات کو ایک دوسرے کے دشمن ہوکر سوئے تھے اور دوسرے دن اٹھتے وقت ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے اور ایک دوسرے کے لئے جان دینے کے لئے بھی تیار ہوگئے اور مالی مدد کرنے کے لئے بھی آمادہ ہوگئے اور اعلان کیا کہ جو میرے پاس ہے، وہ میرے دوسرے بھائی کا ہے، اگر یہ حالت قائم ہے تو پھر جدائی اور تفریق ممکن نہیں۔

یہ معجزہ کس طرح ہوا اور کیسے ممکن ہوا، جب سابق الاولون نے اللہ کا راستہ اختیار کیا، قرآن مزید کہتا ہے کہ : والف بین قلوبھم لوانفقت ما فی الارض جمیعا ماالفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم. اگر تم دنیا کے سارے خزانے اور پوری کائنات بھی خرچ کرتے تو بھی ان کے دلوں میں محبت پیدا نہیں کرسکتے تھے، جو ہم نے ان کے دلوں میں پیدا کی ہے، یہ اللہ کا فرمان ہے کہ افراد سے محبت پیدا ہونا ممکن نہیں، جو خزانہ تمہیں دیا گیا ہے وہ سارا خرچ کرنے کے باوجود، ایک دوسرے کے درمیان محبت پیدا نہیں ہوسکتی۔ یہ اللہ ہی ہے، جو محبت پیدا کرسکتا ہے، دوسرا کوئی محبت پیدا نہیں کرسکتا، اللہ تعالی محبت پیدا کرتا ہے، اس سے مراد کیا

Marfat.com

ہے ؟ اسکی اصطلاحی معنیٰ ہے سچ، نیکی، اور صداقت، جیسا میں اکثر کہتا ہوں کہ محبت یقیناً کسی دوسرے مختلف عنصر میں نہیں رہ سکتی، یہ نفاق اور علیحد گی میں ممکن نہیں۔ جھگڑے اور ناانصافی میں محبت کیسے رہی گی، یہ محبت ملیریا کی آلودگی کی فضا میں کیسے پروان چڑھے گی، محبت کے لئے بالکل جداگانہ ماحول چاہیے، جسے خدائی ماحول کہتے ہیں، جب اللہ تعالی ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ وجود میں آتی ہے، بڑی سے بڑی دولت بھی لوگوں کے اندر محبت پیدا نہیں کر سکتی، محبت سچ، نیکی، اور صداقت سے ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی گواہی ہے، اس لئے میں نے کارلائل کے الفاظ میں کہا ہے، دوستی صرف نیکی (اچھائی) میں ہی ممکن ہے۔

دوستو! ہم نے زندگی کو نیکی اور صداقت سے الگ کر دیا ہے، اس لئے مجھے یقین تھا کہ یونین کی نشوونما بالکل اس طرح ہوگی جو میرا تین سالہ تجربہ ہے، کہ ابتدا میں ہی نیکی سے دوری ہوگی، خود یونین کی تقریب صحیح طور پر نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ ہر شخص کو اپنا مفاد اور خواہش ہی عزیز ہے۔ اور خود پرستی کا غلبہ ہے، ایسی صورتحال میں یونین کس طرح وجود میں آسکتی ہے اور وہ کیسے کام کر سکے گی، ہر شخص کوئی نہ کوئی عہدہ حاصل کرنا چاہتا ہے، ان کے سامنے کوئی مقصد نہیں۔ اسے خدا کی کوئی پرواہ نہیں، صداقت سے اس کا تعلق نہیں، ایسی صورت میں لوگ اتحاد اور محبت کے راستے پر کس طرح گامزن ہو سکتے ہیں، دولت اتحاد پیدا نہیں کر سکتی، صرف خدا اتحاد پیدا کر سکتا ہے۔ یہ قرآن کا فیصلہ ہے جس چیز سے اتحاد پیدا ہو سکتا ہے، اس سے ہم بہت دور ہیں: دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر۔ یہ مقام کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔ اقبال کہتا ہے کہ اگر دیارِ عشق میں مقام پیدا کرنا ہے تو پھر نیا زمانہ اور نئی صبح و شام پیدا کرنا ہے۔

Marfat.com

میں اہل پاکستان سے پوچھتا ہوں کہ کے صبح وشام سے ان کی کیا مراد ہے، میں نئی صبح اور نئی شام نہیں پوچھتا، جو الگ مسئلہ ہے، ہم پرانی صبح وشام سے کیا سمجھتے ہیں اور نئی صبح وشام کسے کہتے ہیں۔ پھر لالہ گل سے گفتگو پیدا کرو اور اس سے بہترین کلام پیدا کرو اس سے کیا مراد ہے اقبال یہ بھی کہتا ہے:

اٹھا نہ شیشہ گراں فرنگ کے احسان

سفال ہند سے میناو جام پیدا کر

یہ سطریں بالکل واضح ہیں، جہاں تک اقبال کا تعلق ہے تو اس کے لئے یہاں ہر ایک جاوید ہے، وہ پاکستان کے ہر نوجوان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

ہماری اب جو حالت ہے، اس میں کون ہے، جو اس پیغام کو سنے اور خود قرآن کی طرف متوجہ ہو، یہ اشعار قرآنی آیتوں کی تفسیر ہیں اور کچھ نہیں۔ پچھلے ہفتے کراچی میں کافی بحث و مباحثہ ہوا، یہ سب باتیں اور صرف باتیں ہیں، مشاہدہ ہے کہ پڑھنے سے ہماری دلچسپی ختم ہو گئی ہے، اس لئے چند منٹ آنکھیں بند کر کے خدا سے مدد کی دعا مانگو کہ وہ فہم عطا کرے تاکہ دیار عشق میں وہ مقام حاصل ہو جس میں اپنے مفاد سے دستکشی حاصل ہو، وہ مقام تمھارے اندر کو اسطرح روشن کرے کہ صداقت کی راہ کھل جائے اور سچ، اور نیکی کی راہ آسان ہو، اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو تم محسوس کرو گے کہ تفکر اور خاموشی سے جو قوت فہم حاصل ہو سکتا ہے وہ تقریر یا گفتگو سے حاصل نہیں ہو سکتی، تم خاموشی سے کچھ حاصل کر سکتے ہو، جو گفتگو سے حاصل نہیں کر سکتے، آج میں آپ

Marfat.com

کو یہی بتانے آیا ہوں، میرے پیارے بیٹو! اب یہ بہت مشکل ہو گا کہ مسلمانوں میں اتحاد کی سبیل پیدا ہو۔ مسئلہ کسی ایک آدھ مسلمان ملک کا نہیں، سعودی عرب، ایران، عراق، پاکستان سب کی حالت یکساں ہے، مجھے نظر آتا ہے کہ اب یہ بظاہر بہت مشکل ہے کیونکہ حالت یہ ہے کہ لوگ اپنے نفس کے لئے زندہ رہنا چاہتے ہیں، خدا کے لئے نہیں، قرآن سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کرتے، ہم اسے سمجھتے ہی نہیں، نیز ہم قرآن کو خارج از وقت قرار دیتے ہیں۔ وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا. میرے دوستو! قرآن خارج از وقت نہیں ہے، اس کا ہر ہر لفظ سچا اور عظیم ہے، یہ آج بھی بالکل اس طرح صداقت کا حامل ہے جس طرح ساڑھے تیرہ سو سال پہلے تھا۔

اس کی صداقت یقیناً ہمیں اس کے فہم سے آئے گی، لیکن یہ فہم ہمارے لئے مشکل ہے، اس لئے کہ قرآن کو پاک دل والے ہی سمجھتے ہیں اور چھو سکتے ہیں۔ 'لایمسه الا المطهرون' باقی دوسروں کے لئے قرآن فرماتا ہے کہ ' ختم الله علی قلوبهم وعلی سمعهم وعلی ابصارهم غشاوة ولهم عذاب عظیم. اللہ تعالی نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ایسے لوگ قرآن کو کیسے سمجھ سکتے ہیں! اے محمد ﷺ آپ سمجھتے ہیں کہ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں، نہیں بلکہ وہ جانور ہیں، ہم مسلسل قرآن پڑھتے ہیں اور اس کے بارے میں باتیں کرتے ہیں، لیکن حالت یہ ہے کہ ہم کچھ بھی حاصل نہیں کرتے۔

Marfat.com

عرفیؔ اگر بہ گریہ میسر شود وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

عرضی کہتا ہے کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ تمھاری خواہش چیخ پکار اور رونے سے حاصل ہو سکتی تو پھر ہر شخص اپنے محبوب سے وصال کے لئے سو سال تک روتا اور چیخ و پکار کرتا، کیا محض رونے اور چیخ پکار سے مطلوب حاصل ہو سکتا ہے، نہیں، قبل از وقت آگاہی (Augury) وہ ہے جو قرآن نے دی ہے، جسے اقبال نے دہرایا ہے، کسی بھی یونین کے لئے کچھ شرائط ضروری ہیں۔ دوسری صورت میں کوئی بھی یونین یا اتحاد ممکن نہیں، یہ قرآن کی دی ہوئی معلومات ہے، جو غلط نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ جو اپنے نفس سے پیار کرتے ہیں یا مخصوص علاقے سے محبت کرتے ہیں، انہیں خبر دار ہونا چاہیے! انہیں قرآن اور قرآن کے تتبع میں اقبال کے پیغام پر عمل کرنا چاہیے اور جس ممکن حد تک بھی کر سکتے ہوں، دوسری صورت میں یونین نا ممکن ہے، پھر چاہے وہ چند شاگردوں کی یونین ہو یا میاں بیوی کی ہو یا باپ بیٹے کی ہو یا ماں بیٹی میں اتحاد ہو۔ سعدی کہتا ہے۔

ایں چہ شوریست کہ در دور قمری بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم
دختران راہمہ جنگ است و جدل با مادر
پسران راہمہ بد خواہ پدر می بینم

سعدی کہتا ہے کہ دنیا میں یہ کس بات کا شور دیکھتا ہوں، میں دیکھتا ہوں کہ سارا جہاں فتنے اور فساد سے بھرا ہوا ہے، بیٹی ماں کے خلاف اور بیٹا باپ کے خلاف ہے۔

Marfat.com

ہر شخص کا ہاتھ دوسرے کے گردن پر ہے، بیٹی ماں سے، بیٹا باپ سے، مرد مرد سے اور عورت عورت سے لڑ رہے ہیں۔ جب تک ذلیل مفادات ہم پر حکمرانی کریں گے، اس وقت تک ہم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے، جب زندگی اللہ کے لئے بسر ہوگی، اس وقت ہی افراد کے درمیان اتحاد اور محبت پیدا ہو سکتی ہے، اس لئے خواتین و حضرات! چاہے آپ بین الاقوامی شخصیت لے آئیں یا آسمان سے کوئی سفیر، اس کے باوجود تمہیں قرآن سے بہتر پیغام نہیں ملے گا، مجھے اس کا یقین ہے۔

Marfat.com

قوم کی حالت زار پر کچھ آنسو

خواتین و حضرات! یہاں کوئی شخص اپنے آپ کو کسی مسلک سے وابستہ کر کے خود کو اس مسلک کا حامل قرار نہیں دے سکتا، اس لئے کہ فرد کا اصل مذہب وہی ہوتا ہے، جس میں اس کا ایمان ہے۔ اگر کوئی اپنے آپ کو ہندو، مسلم، عیسائی یا یہودی کہلواتا ہے تو محض زبانی کہلوانے سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ مذہب سے مراد ہے اس کا حقیقی عقیدہ اور اس کی اصل تعلیمات۔ عقائد اور تعلیمات کو اپنانے سے ہی دعویٰ کی نسبت صحیح ہو سکتی ہے۔ آج ہماری گفتگو کا موضوع یہی ہے، عرس شریف اور میونسپل الیکشن کے موضوع کے بارے میں آپ کو مقامی اخبار سے معلوم ہو گیا ہو گا، میونسپل الیکشن کے بارے میں آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ مجھے تو صرف اخباری بیانات پر اعتبار کرنا پڑتا ہے، میں نے اخبار کی سرخی دیکھی کہ ووٹروں کو بلینک پیپر دیا گیا، اس امر کے کئی ثبوت ملے ہیں کہ ووٹ حاصل کئے بغیر کئی ممبر کامیاب ہوئے ہیں، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن سوال یہ ہے کہ سندھ میں الیکشن کے سلسلہ میں قوائد و قوانین کا تقدس کیوں قائم نہ ہو سکا ہے، حکومت قانون کی خلاف ورزی کو روکنے میں کیوں ناکام ہوئی اور ہمیشہ حکومتی امیدوار ہی کامیاب کیوں ہوتے ہیں۔ اخبارات نے اس کے علاج کے بارے میں لکھا ہے کہ ہمیشہ الیکشن کرائی جائے اور ووٹروں اور کامیاب امیدواروں کو سزا دی جاتی رہے۔

تم اپنے سیاسی نظام کے اس پہلو کے بارے میں متفق ہو گے کہ کسی فرد کو قتل

Marfat.com

کرنے اور زندگی کے سارے اہم ذرائع کو زہریلا بنادینا یہ دونوں یکساں گناہ نہیں۔ جب کہ قتل کی سزا پھانسی ہے تو سمجھدار انسان باور کر سکتا ہے کہ جو چیز زندگی کی بنیادوں کو منہدم کرتی ہو، وہ قتل سے کہیں زیادہ سنگین جرم ہو گی۔ حضرت عیسی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اگر تمہارے ہاتھ گناہ کریں تو انہیں کاٹ دو، اگر آنکھ گناہ کرے تو اسے نکال دو، یہ بہتر ہے کہ ہاتھ اور آنکھ نکل جائیں بلکہ زندگی ہی ختم ہو جائے، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اس الیکشن سے، جس میں انسانیت اور اخلاقی اقدار کی بیخ کنی ہو، بہتر ہے کہ ایسا الیکشن نہ ہو، عورتیں ووٹ دینے آتی ہیں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ انہیں خاص افراد کے لئے ووٹ دینے کے لئے کہا جاتا ہے، یہ بات سمجھ سے باہر ہے اور برداشت سے بھی باہر ہے، جو ماؤں اور بہنوں کو سکھایا جائے کہ دوسروں کے نام پر ووٹ دو، اس طرح کے سارے گناہ ہم ووٹ لینے کے وقت کرتے ہیں۔ تم نے کبھی اپنے آپ سے پوچھا ہے کہ آخر ووٹ دینے کی ضرورت ہی کیا ہے اور میونسپل کاؤنسلر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ دین اسلام کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس کی امتیازی خصوصیت ہے کہ اس میں عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انما الاعمال بالنیات اعمال کو نیت کی بنیاد پر پرکھا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ: 'نیت المومن خیر من عمله' مومن کی نیت زیادہ قدر سے دیکھی جائی گی، بنسبت اس کے عمل کے، عمل میں دو نیتیں کار فرما ہو سکتی ہیں، ایک اچھی نیت، دوسری خراب نیت۔ اصل میں عمل کی اہمیت نیت کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔

میں آپ مہربان لوگوں سے یہ بات دوبارہ پوچھتا ہوں کہ میونسپل یا دوسرے الیکشن کے بارے میں آپ کی نیت کیا ہے، مسلم قانون کے مطابق جو شخص اپنے آپ کو

Marfat.com

کسی عہدے کے لئے پیش کرتا ہے، حقیقت میں وہ اس عہدے کے لائق ہی نہیں ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں گورنر ہونے کا مستحق ہوں، اس دعویٰ کی وجہ سے وہ عہدے کی اہلیت کا مستحق نہیں رہتا، مسلمانوں کی تاریخ میں اس سے زیادہ واضح حقائق ہیں، اس سلسلہ میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، یہاں ہم مسلمانوں کی اکثریت حنفی کہلواتی ہے، جس سے مراد ہے امام ابو حنیفہ کے فقہ کی تقلید کرنے والے۔ میں یہاں ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کرتا ہوں، جس کا تعلق امام ابو حنیفہ سے ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ بارہ صدیوں سے خود کو حنفی کہلواتے ہیں، وہ کچھ سوچیں اور غور کریں، امام ابو حنیفہ کو بغداد کے خلیفے مامون عباسی نے قاضی بننے کی پیش کش کی، جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں، اس پر خلیفہ مامون نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، اسے معلوم تھا کہ امام ابو حنیفہ سے زیادہ کوئی قانون دان، فقیہ اور شریعت کو جاننے والا نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ اب تو آپ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ جو شخص جھوٹ بولتا ہے، وہ اس عہدہ کے لائق نہیں ہے۔ اس لئے اس نے بغداد کا قاضی بننے کے مقابلے میں ۶ سال جیل میں رہنا پسند کیا، امام ابو حنیفہ نے کہا کہ یہ عہدہ میری استطاعت سے باہر ہے، میں یہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار نہیں، اب دیکھیں کہ نہ صرف یہ کہ انہوں نے اپنے آپ کو پیش نہیں کیا، بلکہ خلیفے یا بادشاہ کے سامنے انکار بھی کیا، امام نے دیکھا کہ ہو سکتا ہے کہ کچھ مواقع پر مجھے اپنے ضمیر کے خلاف فیصلہ کرنا پڑے اور یہ میرے لئے ممکن نہیں۔ اس لئے ایسی ملازمت کیوں کروں، جس میں صحیح فیصلے کرنے میں رکاوٹ در پیش ہو۔

یہ مسلمانوں کی روایت رہی ہے کہ جب کسی شخص کو نماز کی امامت کے لئے

Marfat.com

آگے کیا جاتا ہے تو وہ انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ بہتر ہے، اسے آگے کیا جائے، یہ تو میں مسلمانوں کی بات کر رہا ہوں۔ افلاطون پہلے درجہ کا مسلم مفکر تھا، جس نے ۲۴۰۰ سال پہلے کہا تھا کہ افضلیت اس میں ہے کہ جب کوئی شخص ملازمت کے اہل ہو اور اسے پیشکش کی جائے تو وہ اس کے لئے دوسرے شخص کا انتخاب کرے، اسے اپنے آپ کو پیش نہیں کرنا چاہئے، افلاطون کہتا ہے کہ اگر مجھے کوئی اہلیت کا حامل شخص نظر آتا ہے کہ وہ بہتر طور پر کام کر سکتا ہے تو میں پہلے اسے کام کے لئے کہوں گا۔ لیکن آجکل یہ ساری ترجیح تبدیل ہو گئی ہے، ہر شخص اپنے آپ کو عہدے کے لئے پیش کرتا ہے کہ اس ملازمت کے لئے وہ زیادہ اہل ہے۔ میں نے چالیس سال تک اس بات کی کوشش کی ہے کہ اس طرح کے لوگوں سے پوچھوں کہ تم اپنے آپ کو عہدے کے لئے پیش کرتے ہو، کیا تمہیں اس کام کی نوعیت کا علم ہے۔

اب میں آپ کو اپنا ذاتی تجربہ بتاتا ہوں، میں جب شاگرد تھا اور اس بات کے شاہد سید امیر علی صاحب یہاں بیٹھے ہیں، جنہوں نے مجھے مسلم لیگ کے جوائنٹ سیکریٹری کے عہدے کے لئے کہا، جو پہلی بار ۱۹۰۸ء میں لندن میں قائم کی گئی تھی، میں نے انہیں جواب دیا کہ میں ابھی فلسفہ اخلاق سے آگاہ نہیں ہوں۔ سیاست سے تو میرا تعلق ہی نہیں ہے۔ مجھے کسی سیاسی عہدے کو حاصل کرنے سے پہلے سیاست کا مطالعہ کرنا چاہئے، ایک سیاسی جماعت کا سیکریٹری بناتے ہوئے میں اس ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برا ہو سکتا ہوں، جب کہ میں اس کے بنیادی اصولوں سے ہی واقف نہیں ہوں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں مجھے جو خط لکھا تھا وہ اب تک میرے پاس محفوظ ہے۔ میں نے سید صاحب کو کہا کہ میں پہلے

Marfat.com

آپ کی رہنمائی میں اُصولی سیاست اور عملی سیاست کا تجربہ کروں گا، اس کے بعد ہی کوئی عہدہ سنبھالوں گا، فی الوقت تو میں کسی عہدے کے لائق نہیں۔ لیکن مجھے دوستوں نے کہا کہ تم تو سادہ لوح ہو، اس عہدے کے لئے سیاست سیکھنے کی کیا ضرورت ہے، یہ تو عملی سیاست ہے، میں نے کہا کہ کیا عملی سیاست کا اصولی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ کیا مسلم لیگ کے سیکریٹری کے لئے سیاست سیکھنا ضروری نہیں، یہ میں نے آپ کے سامنے ایک مثال پیش کی ہے۔ میں مہربانوں سے پوچھتا ہوں کہ تم لوگ جو میونسپل کے الیکشن لڑ رہے ہو، اس عہدے کی ذمہ داریوں کے بارے میں جانتے ہو۔

وہ امیدوار جانتے ہیں کہ وہ شہری اور سیاسی زندگی کے بارے میں لاعلم ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو کیوں پیش کرتے ہیں، کیا آپ نے کبھی ان سے پوچھا ہے یا انہوں نے آپ کو بتایا ہے کہ اپنی جیب سے حلال یا حرام مال سے ۵ یا ۱۰ ہزار روپے خرچ کر کے وہ سٹی فادر کہلوانا چاہتے ہیں، لیکن کیا انہیں سٹی فادر کی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔

آپ اگر کسی شخص کو باورچی رکھنا چاہتے ہیں تو اسے کہتے ہو کہ سرٹیفکیٹ لے آؤ، تاکہ معلوم ہو کہ تم واقعی کھانا پکانا جانتے ہو، اسی طرح تم دوسرے شخص سے پوچھتے ہو کہ کیا تم واقعی بڑھئی ہو؟ کیا تم نے کوئی میز بنائی ہے؟ اسی طرح تم دھوبی سے پوچھتے ہو اور اس سے سرٹیفکیٹ کی بات کرتے ہو، جب ہم چھوٹے سے چھوٹے کاروبار کے لئے ثبوت مانگتے ہیں تو آخر ہم اپنے سٹی فادر کے امیدواروں سے اس عہدے کی صلاحیت کے بارے میں کیوں دریافت نہیں کرتے اور یہ کہ کیا تم میونسپل لفظ کے بارے میں جانتے ہو؟ یہ لفظ میونسپل یا میونسپالٹی کیا ہے، یہ مدبرانہ لیاقت اور حکومت

سے کس طرح مختلف ہے، ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ تم میونسپل کاؤنسلر بن کر کیا کروگے؟ میونسپل کاؤنسلری کے امیدواروں سے نہ تو اس طرح کے سوالات کئے جاتے ہیں اور نہ ہی ان کے جواب دیے جاتے ہیں، جرمنی میں شہر کے میئر رہبری کرتے ہیں اور وہ خدا کے شہر کو مردوں اور عورتوں کیلئے اچھا دیکھنا چاہتے ہیں کہ لوگ جسمانی، اخلاقی اور ذہنی طور پر صاف زندگی گذاریں، ایسے لوگوں کو 'سٹی فادر' کہا جاتا ہے جو رہنمائی کرتے ہیں اور مثالی نمونہ بنتے ہیں اور شہریوں کے لئے بہتر زندگی گذارنے کا انتظام کرتے ہیں۔

میں نے بہت پہلے بتایا تھا کہ اس سٹی (City) لفظ نے شہری لفظ کو فروغ دیا اور اس سٹی لفظ نے سیاست کو پولیٹیکس (جرمن لفظ ہے) کو فروغ دیا۔ لیکن اس لفظ کا شہری زندگی سے واسطہ ہے۔ چاہے وہ شہری یا سیاسی ہو، اس سے مراد وہ شہر ہے جس میں باوقار مرد اور عورتیں صاف طریقے پر زندگی گذاریں۔ جن سے خدا راضی ہو اور وہ اخلاقی طور پر بہتر ہوں، اس مقصد کے لئے شہر کو جوڑا گیا ہے اور سٹی فادر منتخب کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ میں نے شروع میں کہا کہ عمل سے زیادہ نیت اہم ہے، نماز نیت کے بغیر بے مقصد ہے۔ تم نیت کے بغیر چاہے بارہ مہینے روزے رکھو، لیکن ایک بھی روزہ شمار نہیں ہوگا، اسی طرح جب تم سفر کی نیت کرتے ہو، اس کے لئے بھی سب سے پہلے ارادہ (نیت) کرتے ہو، ایک دن ایک خاتون نے اپنے خاوند سے کہا کہ آپ نے جلاب لیا ہے، اس لئے مہربانی کر کے تھوڑا سا چلو پھرو، تاکہ جلاب اپنا اثر دکھائے، اس نے کہا کہ تم نے یہ کہاں پڑھا ہے، خاتون نے کہا کہ میں نے پڑھا نہیں ہے، البتہ سنا ضرور ہے، اس نے کہا جب تک مجھے کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ایسا کرنا مفید ہے اس وقت تک

میں قدم نہیں اٹھاؤں گا، اس نے کہا پہلے مجھے مطمئن کیا جائے کہ میں جو کروں گا، اس کا کوئی مقصد ہے، اگر اس میں مقصدیت نہیں تو میں نہیں کروں گا۔

میں کہتا ہوں کہ مقصد کے بغیر ہر کام فضول ہے، وہ جانور ہی ہے، جو بے مقصد چلتا ہے، میرے لئے تو اصل چیز نیت اور مقصد ہی ہے، جو وقت صرف کروں گا وہ ارادتاً اور شعوری طور پر صرف کروں گا اور اس ادراک کے ساتھ صرف کرونگا کہ اس میں دین و دنیا کی کیا بھلائی ہے، میں نے اپنی صلاحیتیں اور وقت کس چیز میں صرف کیا، مجھے اپنے ہر عمل کی وضاحت کرنی پڑے گی اور مجھ سے حساب کتاب لیا جائے گا۔ اگر مجھ سے حساب نہ بھی لیا جائے تو مجھے سوچنا چاہیے کہ میں وہ کام کیوں کر رہا ہوں، جو بے مقصد ہے، مسلمانوں کے عمل میں نیت کو اتنا عمل دخل حاصل ہے۔

اب میں ان قابل احترام مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ اگر تم کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے ہو، بلکہ اس سے بھی پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہتے ہو، اس لئے کہ آغاز اعوذ باللہ سے ہوتا ہے، یہ چیز کوئی روایتی نہیں ہے، بلکہ قرآن نے اسے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ جب کوئی اچھا عمل کرنا چاہو تو پہلے اپنے آپ کو صاف رکھو اور اپنے ذہن کو پاک رکھو، جب تم پانی پیتے ہو تو پہلے گلاس کو صاف کرتے ہو 'والرجز فاهجر' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا 'قم فانذر' اب اٹھو اور اپنا کام جاری رکھو، لیکن اس کام کے لئے ہر چیز پاک صاف رکھو' وثیابک فطهر' یہاں تک کہ اپنے کپڑوں کو بھی صاف رکھو، پاکیزگی پہلا شرط ہے، اس سے پہلے کوئی بھی کام نہ کرو، پاکیزگی کے لئے مشورہ دیا گیا ہے کہ پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہو، پہلے یہ تسلی کی جائے کہ کام کرنے سے پہلے روح پاک ہے۔

Marfat.com

اب بسم اللہ،اعوذ باللہ کے بعد آتی ہے۔ پہلے وضو کرتے ہو اور نماز پڑھتے ہو، آخر کیوں ؟ نماز پڑھنے سے پہلے تم اپنے جسم کو پاک صاف کیوں رکھتے ہو ؟ ایسا کیوں ہے،اس لئے ہے تاکہ جسم کے ساتھ ذہن بھی پاک ہو،اگر جسم اور ذہن پاک نہ ہو تو آخر نماز کس طرح قبول ہو گی، قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے کے "لا یمسه الا المطهرون"اس کتاب کو پاکی کے بغیر ہاتھ نہ لگاؤ،ایسا کیوں ہے ؟ میں زیادہ مثالیں اس لئے دیتا ہوں تاکہ یقین ہو جائے کہ ہر عمل سے پہلے ہر قسم کی گندگی سے ذہن کو صاف رکھنا ضروری ہے،اب میں اپنے سٹی فادرز سے پوچھتا ہوں کہ جب وہ سٹی فادر ہونے کی نیت کر کے الیکشن لڑتے ہیں،دوسری باتوں کو تو چھوڑیں کہ آیا وہ اس کے اہل بھی ہیں یا نہیں، کیا وہ شہر کے لئے بہتر کام کریں گے، کیا اس مقصد کے لئے انھوں نے اپنے ذہنوں کو پاک صاف کیا ہے، آخر پیسے خرچ کر کے وہ اس عہدے پر کیوں فائز ہوتے ہیں ؟ معلوم ہوا ہے کہ لوگ الیکشن میں کھڑے ہوتے ہیں اور پانچ ہزار خرچ کر کے کہتے ہیں کہ اگر میں نے ۱۰ ہزار نہیں کمائے تو الیکشن میں کھڑے ہونے کا کیا فائدہ !

ہمارے انڈین انگلش پینل کوڈ کے مطابق دھوکہ دہی، بے ایمانی، جھگڑا اور برپا کرنا، ایک دوسرے کا نام لیکر غلط کام کرنا، ان حرکتوں کے لئے سات سال تک جیل کی سزا مقرر ہے، اب میمبر صاحبان یہ ساری حرکتیں ارادۃً کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ ایک عورت نے مجھے بتایا کہ ساٹھ فیصد عورتیں فرضی ناموں سے ووٹ دیتی ہیں، ایک وقت ایک لباس میں اور دوسرے وقت دوسرے لباس میں دوسرا ووٹ دیتی ہیں ایک وقت کسی کی بیٹی کہلوانا دوسرے وقت کسی کی بیوی کہلوانا، آخر یہ سارا فریب اور

Marfat.com

دھوکہ کس لئے ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ کچھ نااہل لوگ جو قادر نہیں، جو از حد نااہل ہیں، اپنے ذاتی مفادات کے لئے شہر کی فضا فساد زدہ بنانے کے لئے منتخب ہوں۔ کیا یہی مقصد ہے یا کوئی اور مقصد ہو سکتا ہے۔ تم مرد اور خواتین جو یہاں بیٹھے ہو، کیا تمہیں غیرت نہیں کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے، تم اس شہر میں رہتے ہو اور شریف ہونے کے دعویدار بھی ہو، مجھے تو ایسے شہر میں رہنے سے شرم محسوس ہوتی ہے، میں اس ہستی کی قسم کھاتا ہوں جس نے مجھے تخلیق کیا ہے کہ میں یہاں رہنے میں شرم محسوس کرتا ہوں۔ اخبارات میں اس سلسلہ میں جو مواد چھپا ہے، وہ اگر دنیا کے ملکوں میں بھیجا جائے تو ہر جگہ اس پر 'شرم شرم' کے نعرے گونجنے لگیں گے۔

تم اپنی شہرت کے لئے ساری دنیا میں خبریں اور معلومات بیجھتے ہو کہ اسلامی دنیا میں پاکستان بہترین انسانی وقار کا حامل رہے، کیا تم سچ لکھتے ہو؟ کیا تمہیں جرئت ہے کہ تم یورپ، امریکا، آسٹریلیا اور ایشیا کے ملکوں کو بتاؤ کہ حیدر آباد شہر میں ایسا بھی ہوتا ہے، حیدر نے اسے آباد کیا، لیکن دوسرے حیدر نے آکر اسے غیر آباد کیا، اب وہ حیدر آباد نہیں، بلکہ حیدر غیر آباد ہے، کیا تمہارے اندر ہمت ہے کہ تم دنیا کو بتاؤ اور پھر وہاں جا کر حیدر آبادی کہلواؤ، کیا تمھارے اندر کچھ غیرت باقی ہے اور کچھ شرم موجود ہے؟ انسان جب شرم، حمیت اور غیرت کے اجزا کو خیر آباد کہتا ہے تو پھر سب کچھ کر سکتا ہے، ایسی صورت میں اسے ڈوب مرنا چاہیے۔

یہ بہت بڑا المذاق ہے۔ اس پر بار بار رونا چاہیے۔ جس انسان کا وقار اور ظرف انسانیت کھو جاتا ہے، ایسی صورت میں وہ زندہ رہنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے، میں پوچھتا ہوں کہ اگر نمک کی نمکیات والی تاثیر ختم ہو جائے تو پھر آخر کس چیز

Marfat.com

کے ذریعہ اس کی یہ تاثیر بحال کی جاسکتی ہے ؟ یہی کچھ شہر میں ہو رہا ہے، اب شہر کا یہ حال ہے، لیکن اسے اتنا خراب نہیں کہا جاسکتا، اصل میں خراب بات یہ ہے کہ یہ عمل کس دن کیا گیا، خواتین و حضرات! تم مجھے بتاؤ کہ وہ کونسا دن تھا؟ مجھے اس سلسلہ میں بہت دعوت نامے مل رہے ہیں، یہ دن عید میلاد النبیؐ کا دن ہے، لیکن اس دن کے مقصد کا ادراک نہیں، یہ بات سب جانتے ہیں کہ اس دن قرآن کا پیغام پہچانے والی شخصیت نہ صرف مبعوث ہوئی، بلکہ ان کی وفات کا دن بھی یہی ہے۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر میں سخت درد کی تکلیف محسوس ہوئی، بی بی فاطمہ نے اس پر سخت دکھ کے الفاظ ظاہر کئے اور رونے لگی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا کہ ہر ایک کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ 'کل نفس ذائقة الموت' میں رفیق اعلیٰ کی طرف جا رہا ہوں۔ لیکن ان کا کیا ہوگا، جو جھنم میں جائیں گے، جنہوں نے غلط کام کے سوا کچھ نہیں کیا ہوگا، یہ منظر بھی ۱۲ ربیع الاول کا ہے، جب پہلی محرم آتی ہے تو نقارے بجتے ہیں اور مسلمانوں کا نیا سال شروع ہوتا ہے اور عبادت نقارے کے ساتھ شروع ہوتی ہے، جیسا کہ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اگر کوئی دن رونے کا ہے، جو ان کے لئے بڑے نقصان کا دن ہے (جس دن کو ۱۳ صدیوں سے غم کا اظہار کیا جارہا ہے) تو وہ ۱۲ ربیع الاول کا دن ہے، جس دن وہ روشنی آئی، جس نے نہ صرف عربوں اور مسلمانوں کو بلکہ ساری دنیا کو منور کیا اور ایک بار پھر اسی دن پر یہ شخصیت ہم سے رخصت ہوگئی، کیا یہ دن رونے کے لئے مناسب نہیں تھا، وہ انسانیت کیلئے غمناک دن تھا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، وہ ۱۲ ربیع الاول کا دن تھا، ایک طرف اس موقعہ پر شہر میں

Marfat.com

تقریبات جشن ہو رہے ہیں تو دوسری طرف اسی دن شہر میں انسانیت کے خلاف گھناؤنی سازشیں ہوں، جسے الفاظ میں بیان کرنا ہی مشکل ہے، مذہب اور انسان کے عمل کے درمیان کتنا فرق ہے؟ لوگوں کے خیالات، احساسات، عقائد اور ان کے عمل کے درمیان کتنی ہم آہنگی ہے۔؟

ہمیں سوچنا چاہیے کہ مبارک دن ہم کیا کام کر رہے ہیں، ماں باپ کے کفن پڑے ہوں اور کینچی سے ٹکڑے کر کے ان کے کفن کو دوسرے کاموں میں لایا جائے، کیا اس کو ماتم کہا جا سکتا ہے، اگر انسان اپنے وفات شدہ ماں باپ کے ساتھ اس طرح ذلیل حرکتیں کرے تو اسے کیا کہا جائے گا۔ اس دن شہر کا جو حال ہوا ہے، خدا پناہ میں رکھے، خدا جو ہمارا حقیقی خدا ہے، ہماری ان حرکتوں کی بنا پر وہ اس پورے شہر کو جلا کر راکھ کر دے، 'خس کم جہاں پاک' کیا یہ مناسب نہیں کہ جب سارا شہر اس مبارک دن کو اس انداز سے منائے تو کوئی قوت تحرک میں آئے اور شہر کو جلا کر راکھ کر دے۔ دنیا میں لاکھوں آدمی ہیں، جو زیادہ پاک اور صاف زندگی گذارتے ہیں، جتنا گند کم ہوگا اتنا بہتر ہے، جیسا میں نے کہا کہ 'خس کم جہاں پاک' آپ کے باغ میں مالی کیا کرتا ہے، گند کچرے کو جمع کر کے انسے جلا دیتا ہے، یہ گند کچرا کب تک پڑا رہے گا؟ جب انسان مر جاتا ہے تو تم کیا کرتے ہو؟ اسے دھرتی میں دفن کر دیتے ہو، اگر اسے دھرتی پر چھوڑ دو گے تو لاش سے بدبو اٹھے گی اور اس میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ صفائی کا یہی طریقہ ہوتا ہے، پھر کیوں نہ خدا ایسا کرے کہ اس گندگی سے نجات دلائے، جو مزید زندہ رہنے کے لائق ہی نہیں۔ پھر بھی کہا جاتا ہے کہ خدا ظالم ہے، جب وہ ایک شہر تباہ کرتا ہے جو رہنے کے لائق نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ بات عقل سے بعید نہیں کہ

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدائش کے دن ہم کم از کم کچھ دن تو پاک وصاف اور باوقار رہیں، جیسا کہ میں نے کہا کہ جب خواتین اپنے بچوں کو جعلی ووٹنگ کا طریقہ سکھائیں، ایسی عورتیں آخر بچوں کو اس کے علاوہ اور کیا سکھا سکتی ہیں، یہ خواتین جو دوسروں کے نام سے ووٹ دے رہی ہیں، یہ آخر کس قسم کی مائیں ہیں۔ اور یہ اپنے بچوں کی کیا تربیت کریں گی، جو پاکستان کا مستقبل ہیں۔ میں نے ایک بار انہیں قبرستان کہا تھا، کیونکہ جب انسان اپنے بڑے ہونے اور بہتر ہونے کا دعوی کرتا ہے تو یہ بات اعتماد کے قابل نہیں، اس لئے کہ انسان ہر وقت نفس کے اثرات کے تحت رہتا ہے، اس لئے اسے اپنے بہتر ہونے کی دعویٰ نہیں کرنا چاہیے، میں اسے ایرانی محاورے کے مطابق سگستان کہنا پسند کرتا ہوں۔

پاکستان کا نام مکستان میں تبدیل کرنے کی بات نہ کی جانی چاہئے، اس لئے کہ ایسے اچھے نام جس کے تقدس کو قائم رکھنا مشکل ہو، اس سے بہتر یہ ہے کہ اپنے آپ کو حقیر اور خاکسار سمجھا جائے، میں نے اپنی زندگی میں کبھی بھی اپنا نام صحیح طور پر نہیں لکھا، میں ہمیشہ اپنے تئیں خود کو حقیر لکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں اور میں اس نام سے جانا جاتا ہوں۔ لوگ اپنے آپ کو بہتر نام سے بلوائیں، میں نے ایک دن ایک لڑکی دیکھی، جس کا نام نور جہاں تھا، لیکن نور جہاں بہت میلے کپڑوں میں تھی، جس کی وجہ سے میں نے لڑکی کو کہا کہ بیٹا تمھارا کوئی دوسرا نام رکھا جاتا، نور جہاں ایسی کس طرح ہو سکتی ہے، یہ بہتر ہے کہ سادے نام رکھے جائیں اور بہتر اور اچھی زندگی گذاری جائے۔ تم اتنے بڑے نام کیوں رکھتے ہو، جن کے تقاضے پورے نہیں کر سکتے۔ کیا میں صحیح حواس کی حالت میں بات کر رہا ہوں یا میں اس ملک کے عقل کے خلاف بول رہا ہوں،

Marfat.com

بہر حال میں یہی کچھ محسوس کر رہا ہوں، مجھے تعجب ہے کہ کتنے ہی خواتین و حضرات جو یہاں موجود ہیں، انہیں معلوم ہے کہ یہاں الیکشن کس مقصد کے لئے ہوتے ہیں۔ جمہوریت کیا ہے! ووٹنگ کیونکر ہو! شہری زندگی کا مقصد کیا ہے! سیاسی زندگی کا مقصد کیا ہے! یہ سب بڑے مسئلے ہیں، جیسا کہ میں نے کہا کہ ایک شاگرد نے آئین کے بارے میں پوچھا، دوسرے شاگرد نے پوچھا کہ زندگی کا مقصد کیا ہے، مجھے علم نہیں کہ میں نے انہیں کوئی جواب دیا یا نہیں۔ لیکن ہم ایسے آئین اور جمہوری نظام کیا کریں گے، جب آئین کے کوڑی تباہ ہوں اور ہر مرد اور عورت اس تباہی میں حصہ لیتے ہوں، اس صورت میں آئین کیا مدد کرے گا، جو قوانین ہم نے بنائے ہیں وہ کیا فائدہ دیں گے۔

جب میں کہتا ہوں کہ قرآن فرماتا ہے کہ پہلے شیطان سے نجات حاصل کرو، پھر پاکیزہ نیت سے کام کی شروعات کرو، کیا اس آئین کی پیروی کی جاتی ہے، جب قرآنی آئین کی اطاعت نہیں کی جاتی اور حضور صلی اللہ علیہ السلام کے وفات کے دن ان کے آئین کے خلاف بغاوت کی جاتی ہے تو آخر کس کے آئین کے بارے میں بات کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن دیا اس میں دستور موجود ہے جب اس کا احترام نہیں کیا جاتا، اس کی فرمانبرداری نہیں کی جاتی، گیارہ مہینوں میں اس مبارک دن بھی اس دستور کے بارے میں ذرہ برابر بھی غور نہیں کیا جاتا، وہ مبارک دن جس دن یہ عظیم شخصیت اس دنیا میں مبعوث ہوئی اور پھر اسی دن ہم سے رخصت ہوئی۔ آپ نے کبھی اس واقعے کے بارے میں سوچا ہے۔ لیکن یہ دن حیدر آباد سٹی فادر اور افراد کے لئے کوئی معنیٰ نہیں رکھتا، وہ شام کو عرس کے لئے جمع ہوتے ہیں اور بہترین انتظام کرتے ہیں اور اس دن لوگوں کو کھانے پینے کی دعوت دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ الصلواۃ وسلم کا ذکر

Marfat.com

کرتے ہیں، صبح کو یہ ساری چیزیں بھول جاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہر وہ گناہ کیا جائے جو پینل کوڈ کی لسٹ میں ہیں، یہ عجیب ذہنیت ہے جو میرے لئے اذیت ناک ہے، اس لئے میں نے آپ کے سامنے یہ موضوع رکھا ہے تاکہ اس پر غور کیا جائے۔

الیکشن کے بارے میں مسلمانوں کو فخر ہے۔ تم کہتے ہو کہ دنیا میں ہم نے جمہوریت کو متعارف کیا ہے اور مسلمانوں نے دنیا کو جمہوریت دی ہے، لیکن افسوس ہے کو آج مسلمان ہی ہیں، جو جمہوریت سے ناواقف ہیں، جو جمہوریت کے منافی راستے پر گامزن ہیں، کیا تمہیں الیکشن کا مفہوم معلوم ہے، میں نے ایک دن ایک چھوٹی جمعیت کی تشکیل کا ارادہ کیا، اس کے لئے مجھے سیکریٹری- نائب صدر اور صدر منتخب کرنا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اس چھوٹی سی جمعیت کے ممبروں کو کیا مشورہ دیا۔ میں نے انہیں کہا میرے بچو! جاؤ اور آج رات صدق دل سے دعا مانگو، اس ذات سے، جس نے ہمیں پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری رہنمائی کرے- اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ پروردگار! ہماری صحیح رہنمائی فرمائیے کہ ان چالیس لوگوں میں ایک ایسا شخص مقرر کریں، جو اس کام کے لائق ہو، جب تم آدھی رات تک رو کر دعا کرو گے تو پھر اگلے روز میرے پاس آنا اور مجھے بتانا کہ کس شخص کو کیا عہدہ دیا جائے، جو جمعیت کے کام کو آگے بڑھائے۔ آپ لوگوں کو یہ بتاتا چلوں کہ یہ جمعیت ۷ اسال سے لندن میں کسی کی سرپرستی کے بغیر کام کر رہی ہے، وہ اب تک میری غیر حاضری میں کام کر رہے ہیں، اس جمعیت میں کئی عمر رسیدہ افراد بھی ہیں، جنہوں نے شروع میں میرے ساتھ کام کیا تھا، جو نئے ممبر ہوتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ جمعیت میں کیا روایت قائم کی گئی ہے۔ پچھلے دنوں ایک شخص نے مجھے خط لکھا کہ جب میں اس جمعیۃ کے ہاں جاتا ہوں تو مجھے مذہب نظر آتا ہے، لیکن دوسرے مقامات پر مذہب کا صرف نام دیکھتا ہوں، حقیقی

Marfat.com

مذہب نہیں ہے، یہاں اس چھوٹی سی جمعیت کے افراد نے محسوس کیا ہے کہ ان کے انتخاب کا مقصد کیا ہے۔ ایسے تجربہ کار اور صاف دل افراد جو وقتی طور پر رہنمائی کے لئے آتے ہیں، ان کے سامنے اور کوئی مقصد ہی نہیں، ایسے افراد ہر ایک کی نمائندگی کرتے ہیں، باقی عہدیدار پاکیزہ نصب العین سے محروم شیطان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جن سے جانور بھی شرم محسوس کرتے ہیں، اس لئے تم میں سے اگر کچھ مرد اور عورتیں جرئت مند ہیں تو انھیں وہاں جاکر ان کے سامنے کہنا چاہیے کہ تمہیں اپنے سٹی فادر کہلوانے کے بجائے ڈوب مرنا چاہیے، تم غیرت سے محروم ہو۔

خواتین و حضرات! یہ مذاق نہیں یہ بڑا مسئلہ ہے، میں نے تمہیں گوئٹے کا قصہ بتایا کہ جب لندن میں زلزلہ آیا تو اس نے اپنے آپ سے پوچھا کہ کیا اللہ وہ رحیم ہے، جس نے ایک زلزلہ سے ساٹھ ہزار مرد اور عورتیں اور بچوں کو زمین میں دفن کر دیا، ان میں لازماً کچھ اچھے انسان بھی ہونگے، اگر خدا تعالیٰ رحیم ہوتا تو ان سب کو ایک منٹ میں ہلاک نہ کرتا۔ لسبن والا زلزلہ تقریباً ۱۸ صدی کے آخر میں ہوا۔ گوئٹے کا یہ پہلا ردعمل مجھے اس وقت معلوم ہوا، جب میں نے تھوڑی سی جرمن زبان سیکھی، اس کا یہ نکتہ پڑھنے سے مجھے دکھ ہوا اور میں نے کہا یہ بالکل صحیح سوال پوچھا گیا ہے، لیکن یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں پڑھا کہ جب یہی سوال ان سے پوچھا گیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اچھے اور برے آدمی کو ایک ہی وقت سزا دی جائے، جیسا یہ واقعہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہی سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکرؓ، یہ اس لئے ہے کہ کتنے ہی گناہ گار اور مجرم اس شہر میں رہ رہے تھے۔ اور بہت لوگوں نے انہیں یہ خراب زندگی گذارتے ہوئے دیکھی۔ لیکن کسی نے انہیں تنبیہ نہیں کی اور انہیں غیر اخلاقی حرکتوں

Marfat.com

سے نہیں روکا اور وہ ان سے ہنسی مذاق کرتے تھے، انہیں ان کے کردار سے کوئی تعلق نہیں تھا، جب ایک جماعت خراب عمل کرے اور دوسری جماعت اس کی روک تھام کے لئے کچھ نہ کرے تو گویا وہ جماعت بھی مردہ ہے، جو روح سے خالی ہے، اس میں کوئی غیرت نہیں، ایسی جماعت مردہ شمار ہوگی، اس لئے دونوں کو ضرور مردہ سمجھ کر دفن کیا جائے گا، اس لئے انہیں مردہ سمجھ کر دفن کیا گیا۔ وہ ہر لحاظ سے مردہ ہیں، پھر ان کو کیوں نہ دفن کیا جائے، جیسا کہ میں کہتا ہوں کہ مردہ جسم سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہم اسے دفن کرتے ہیں، جب پانچ لوگ ان پر ہنستے ہیں، اگر کوئی شخص کسی عورت کی بے عزتی کرتا ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں درمیان میں آؤں، جب کسی کو مارا جاتا ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ میں کیوں درمیان میں آؤں، میں پوچھتا ہوں کہ کیا ایسے افراد زندہ رہنے کے لائق ہیں؟ اگر نہیں تو پھر کیوں کہتے ہو کہ اللہ تعالی ظالم ہے، اللہ تعالی اس طرح کے افراد کو ختم کر کے صفائی کرنا چاہتا ہے، جس طرح مالی باغ کی صفائی کر کے گند کو جلاتا ہے 'خس کم جھاں پاک'۔

الیکشن جسے ضروری سمجھا جاتا ہے، اس کا فلسفہ نہایت بہتر ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے پہلے سال سے لیکر اب تک الیکشن کی تاریخ کا مطالعہ کرو، پھر تمہیں جمہوریت اور اسکی معنی' معلوم ہوگی۔ الیکشن کے صحیح تصور کا ادراک یورپ اور امریکا بھی نہ کر سکے ہیں، اس لئے وہ صحیح جمہوریت سے محروم ہیں۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا، اس کے لئے کافی وقت درکار ہے، میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ الیکشن مسلمانوں کا بلند ترین ادارہ ہے، یہ خدائی مقصد کو سرانجام دینے کا ذریعہ ہے، دنیا نے الیکشن مسلمانوں سے ہی سیکھا ہے۔

Marfat.com

فرض ناشناسی کے المناک نتائج

یونیورسٹی کے عملے کو خطاب

اللهم صل علی سیدنا محمدا بعدد کل معلوم لك، اما بعد!۔

پیارے دوستو! ہمیں یہاں ملتے ہوئے سال گذر گیا ہے، جب میں کہتا ہوں کہ سال گذر گیا ہے تو اکثر یہ نہیں سوچتے کہ سال کس طرح گذر گیا ہے۔ نیز سال کسے کہتے ہیں۔ دھرتی نے سورج کے گرد ٹھیک بارہ ماہ میں اپنا طواف مکمل کیا ہے۔

اس دوران اس نے ایک سیکنڈ بھی ضایع نہیں کیا ہے اور دھرتی طویل عرصے سے ایسا کرتی چلی آرہی ہے۔ سوچنا چاہئے کہ ایک ایسا بے جان اور حواسوں سے محروم جسم، جسے ہم مادہ کہتے ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ یہ میکنیکی طور پر کام کررہا ہے، جسے نہ آنکھیں ہیں، نہ عقل اور نہ اختیار، اس کے باوجود وہ ایک سیکنڈ ضایع کیے بغیر سورج کے محور پر اپنا طواف ایک سال میں پورا کرتی ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟ اور ایسا کس طرح ہوتا ہے؟ کیا کسی نے اس اسکیم کے بارے میں سوچا ہے۔ نظم ضبط اور باقاعدگی کے لئے بھی حواس کا ہونا ضروری ہے، ہمیں عقل ہے، آنکھیں ہیں۔ ہم چل پھر رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اختیار حاصل ہے۔ ہم اس دھرتی کے مالک ہیں۔ اور ہم سمجھتے اور سوچتے ہیں اور اپنے وجود کا احساس رکھتے ہیں۔ شعور و احساس کے باوجود حالت یہ ہے کہ ہم وقت کی قدر کرنے سے قاصر ہیں۔ جب کہ یہ دھرتی بارہ ماہ کے عرصہ میں ایک لمحہ بھی ضایع نہیں کرتی۔ ہر ممکن حساب لگایا گیا ہے اور سات سو سال پہلے اور

Marfat.com

موجودہ حساب سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ ایک لمحہ بھی ضایع نہیں ہوا ہے۔

وہ کونسی قوت ہے، جو دھرتی کو نظم وضبط سے چلا رہی ہے اور دھرتی کس قانون کے تحت چل رہی ہے؟ اس کے تحرک کے پس پردہ کیا قوت کار فرما ہے؟ ان سوالات پر غور وفکر کرنے کے لئے بھی ہمارے پاس وقت نہیں۔ اس لئے کہ غور وفکر ہماری خصوصیت نہیں رہی۔ کبھی کبھار ہمارے درمیان ایک فرد پیدا ہوتا ہے جو ہمارے مقابلے میں زیادہ احساسات کا حامل ہوتا ہے۔ فارسی کا شاعر سعدی کہتا ہے:

ابر وباد وماہ وخورشید ہمہ در کارند
تا تونانی بکف آری وغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ وفرمانبردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرمان نہ بری

بادل، ہوا، سورج اور چاند سب مصروف ہیں تاکہ تمہیں خوراک حاصل ہو۔ خوراک سست ہو کر نہ کھاؤ۔ ان ساری چیزوں کا تعلق تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہاری اطاعت کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں۔ یہ ناانصافی ہوگی اگر تم اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے تیار نہ ہو۔ کائنات کی ہر چیز قانون کی اطاعت کرتی ہے۔ صرف انسان ہی ہے، جو قانون کی اطاعت سے سرکشی کر رہا ہے۔ وکان الانسان اکثر شیئا جدلا. انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ لڑائی جھگڑے اور نافرمانی میں وقت صرف کرتا ہے وہ خدا کی بالادستی کو تسلیم کرنے اور اس کی اطاعت کے لئے تیار نہیں۔

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون. جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو وہ تخلیق ہو جاتی ہے 'فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل

Marfat.com

شیء والیه ترجعون' یہ ساری چیزیں واضح ہیں۔ لیکن ہم نے تو غور و فکر سے کام لینا ہی چھوڑ دیا ہے، اسی طرح بارہ ماہ گذر جاتے ہیں۔ ہم پہلے بھی یہاں تھے اور آج بھی یہاں جمع ہیں۔ ہمیں اس کے لئے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم زندہ اور صحیح سلامت ہیں۔

اعملو آل دائود شکرا قلیل من عبادی الشکور' داؤد کی اولاد شکر کرو، لیکن تھوڑے ہی بندے ہیں جو شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں شکر کی ادائیگی کے لئے کئی بار فرمایا ہے۔

آج ہمارے ہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب تمہارے سامنے ہے۔ ان حالات میں کیا ہم نے سوچا ہے کہ ہمیں سندھ (جو ہمارا اپنا علاقہ ہے) اس کی خدمت اور حفاظت کرنی ہے اور اس کے تحفظ و ترقی کے لئے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی ہیں۔ ہم میں سے ہر فرد کو یہ محسوس کرنا ہے۔ جو یہاں رہتا ہے اس پر اللہ کی طرف سے ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ اس مقصد کے لئے ہمیں آپس میں عہد کرنا پڑے گا اور سب کو اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنے اپنے شعبہ میں کام کر کے اپنے فرائض ادا کرنے ہوں گے، ہم نے اس چھوٹے ادارے کی ذمہ داری سنبھالی ہے کہ اسے مفید ادارہ بنائیں، تاکہ نئی نسل تعلیم حاصل کر سکے، چنانچہ ہمیں کمانے کی فکر کی بجائے اس ادارے کے ارتقاء کے لئے کام کرنا چاہئے۔ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کیا ہم واقعی کما رہے ہیں۔ کمانے کا تصور ذمہ داری کی صحیح طور پر ادائیگی کے ساتھ وابستہ ہے، میری ذمہ داری کیا ہے۔ یہ ذمہ داری دفتر میں آنے اور رسمی کام سرانجام دینے تک محدود نہیں، بلکہ ذمہ داری میں جذبہ، تفکر اور احساس ذمہ داری یہ ساری چیزیں شامل ہیں۔ اس کے نتیجہ میں اپنے کام کو بہتر مؤثر اور

Marfat.com

مفید طور پر سر انجام دینے کے لئے راہیں کھلتی ہیں۔ اگر میں سارا دن کام کرتا ہوں اور اس کا حاصل کچھ نہیں ہوتا تو مجھے اپنے آپ سے پوچھنا چاہئے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ کیا واقعی میں نے کمانے کا حق ادا کیا ہے۔

زندگی کیا ہے؟ آج ہم زندہ ہیں، کل مر جائیں گے۔ کیا ہم نے یہ سوچا ہے کہ آئندہ اسی (۸۰) سال کے دوران دھرتی پر ہم میں سے یہاں کوئی موجود ہوگا۔ جب زندگی اتنی عارضی اور مختصر ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے کوئی کام سر انجام دیا ہے، جو قابل ذکر ہو، جس کا خدمت خلق یا اللہ کی عبادت سے تعلق ہو۔ اور ہمارے جس کردار کو دیکھ کر لوگ کہہ سکیں کہ ہاں انہوں نے کامیاب زندگی بسر کی ہے اور اپنا کام بہتر سر انجام دیتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم میں سے بہت کم افراد ایسے ہیں، جو کارنامہ سر انجام دیتے ہیں اور زندگی کا حق ادا کرتے ہیں۔ ورنہ اکثریت کی جو حالت ہے، وہ یہ ہے کہ لوگوں کو اذیت پہنچانے میں زندگی صرف کرتے ہیں اور اس اعتبار سے وہ یاد کئے جاتے ہیں۔ ہم میں سے بیشتر کا تو کوئی کردار ہی نہیں ہوتا، جس کی بنا پر ان کا تذکرہ ہو۔

زندگی اتنی غیر اہم نہیں ہے کہ اسے فراموش کیا جائے اور اس پر غور فکر نہ کیا جائے یہاں ہم کیوں آئے ہیں، نیز ہمارا مقصد کیا ہے؟ المیہ یہ ہے کہ ہم ان چیزوں کے بارے میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے، ہمیں لذیذ کھانوں سے دلچسپی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ پیسے جمع ہوں۔ لیکن ہم اپنے نفع نقصان اور مقصد زندگی سے بے بہرہ ہیں۔ یونیورسٹی میں آمد سے اگر میرا مقصد پیسے کمانا ہے تو پیسے تو دوسرے طریقوں سے بھی کمائے جاسکتے ہیں، بہر حال جس طرح بھی ہم یہاں آئے ہیں، آئیں، ہم حقیقی مقصد کا شعور پیدا کریں اور مل کر یہ طے کریں کہ ہمیں نئی نسل کو حقیقی روشنی سے آشنا کرنا

ہے۔ مہربان دوستو! کھانا پینا پچاس سال کے بعد ختم ہو جانا، کیا یہ زندگی ہے۔ آخر مرنا ہے اس لئے کچھ کرنا چاہئے اور مقصد زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے۔ تنخواہ ملتی رہے گی۔ کھانا بھی ملتا رہے گا۔ لیکن کیا یہی سب کچھ ہے، جو ہمیں مطلوب ہے۔

خوردن برائے زیستن وذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

کھانا پینا یہ سب کچھ عبادت کے لئے ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارا نقطہ نگاہ یہ بن گیا ہے کہ زندگی کھانے کے لئے ہے۔ ایک آدمی کھاتا ہے تاکہ وہ زندہ رہے اور کام کر سکے، لیکن اگر کام اور مقصد کو فراموش کر دیا جائے تو ایسے کھانے کا کیا فائدہ؟ اس سلسلہ میں مجھے ایک چھوٹا واقعہ یاد آتا ہے جو کارلائل نے بتایا تھا۔

ایک شخص ڈاکٹر کے پاس آیا اور شکایت کرنے لگا کہ وہ کھا نہیں سکتا، ڈاکٹر کو اس نے یہ بات کئی بار کہی، ڈاکٹر نے کہا، محترم میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم کام کر سکتے ہو؟ اگر تم کام کر سکتے ہو تو پھر تمہارے لئے کھانا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ تمہیں یہ فکر دامنگیر نہیں ہے کہ تم کام نہیں کر سکتے، تمہیں اصل فکر صرف کھانے کی ہے۔ کھانے کا مقصد کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی اس دھرتی پر کوئی کام کر سکیں۔ کیا ہم دھرتی کی طرح اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں؟ کیا ہم سورج، چاند، ستاروں اور کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، سورج چاند وغیرہ تو بے جان چیزیں ہیں اور ہم تو عقلمند انسان ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اور اپنے آپ کو یاد دلاؤں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ سال گذرنے کے بعد آج کا دن پھر لوٹ کر آیا ہے اور ہم زندہ ہیں۔

Marfat.com

آئیں، دوبارہ سوچیں ہم اس ادارے کے لئے کوئی کارنامہ سرانجام دے سکتے ہیں۔ ہمیں سندھ کے اس اہم تعلیمی ادارے میں پڑھنے والی نسل کو روشنی پہنچانے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے۔ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہمیں اس کا عہد کرنا چاہئے۔ جب سندھ کی نئی نسل کو روشن ذہن کا حامل کہا جائے، ہماری کوششوں سے ہی ایسا ہونا ممکن ہے، لیکن نفاق، انتشار اور ہڑتالوں کی موجودہ صورتحال میں اس طرح کے دن کی پیشنگوئی نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح سندھ اور اہل سندھ کا مستقبل کسی صورت بہتر نہیں ہو سکتا۔ جب سب اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی فکر کریں گے تو اس سے خوبصورت ہم آہنگی پیدا ہو گی۔ اور ہر شخص حقیقی اسکیم میں اپنا کردار ادا کر سکے گا اور وہ اپنے صحیح مقام کا حامل ہو گا۔ اس طرح وہ دھرتی کی طرح اپنی ڈیوٹی نظم و ضبط کے ساتھ ادا کر سکے گا۔

ہمیں یکسو ہو کر مقصد کی طرف آگے بڑھنا چاہئے اور کلرک، معاون دفتر، رجسٹرار، وائس چانسلر سب کو اپنی ذمہ داری کے لئے فعال کردار ادا کرنا چاہئے، اس کے بعد ہی ہم ادارے کے بارے میں فخر کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ منشا ہے کہ انسانوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لایا جائے، یہ مقصد ہمارے ادارے نے اپنے ذمہ لیا ہے اور اس ادارے میں کام کرنے والا ہر فرد وہ چاہے صفائی کرنے والا ہی ہو، اس میں شامل ہے، اگر صفائی کرنے والا کمرے کی صفائی نہیں کرے گا تو سب بیمار ہو جائیں گے۔ اسی طرح سب کی صحت متاثر ہو گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اسکیم میں ہر فرد کو اہمیت حاصل ہے اور ہر ایک کو اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرنی ہے۔ جو اپنی ڈیوٹی ایمانداری سے ادا کرتا ہے وہ قابل احترام ہے۔ پھر چاہے وہ جاروب کش ہی

Marfat.com

کیوں نہ ہو، اگر میں اپنا کام صحیح طور پر نہیں کرتا تو پھر مجھ سے بہتر خاکروب ہے کیوں کہ وہ اپنا کام بہتر طور پر ادا کرتا ہے۔

آئیں، ہم آج سے یہ طے کریں کہ روزانہ دس منٹ وقت نکال کر اپنے اندر میں ڈوب جائیں اور اپنے آپ کو یاد دلائیں کہ ایمانداری کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ ہمیں دوسروں کی کارکردگی کو دیکھنے اور ان پر الزام لگانے کی بجائے اپنی کارکردگی کا جائزہ لینا ہوگا۔ اور اپنا احتساب کرنا ہوگا۔

ہمیں یہ بات بھی ذہن نشین کرنی ہوگی کہ ہم ایک بڑے صوبے کے سماج کے ممبر ہیں اور ہم نے نازک کام اپنے ہاتھوں میں لیا ہے، جسے احسن طریقے سے پورا کرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ لوگ انگلیاں اٹھائیں اور نااہلی، کام چوری اور ذاتی مفاد کا طعنہ دیں اور یہ کہیں کہ انہوں نے اللہ کی دھرتی پر اس کی ملازمت کے حقوق ادا نہیں کئے۔ یہ تنقید ایسی ہے جو کسی خوددار فرد کے لئے ناقابل برداشت ہے، روٹی کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے، اصل مسئلہ مقصد کی ادائیگی ہے، ایک شاعر نے کتنا اچھا شعر کہا ہے۔

شب تنور گذشتہ۔ سب سمور گذشتہ

ایک فرد جو قالین پر آرام کرتا ہے، اس نے بھی رات گذار دی، لیکن شاید اسے اچھی طرح نیند نہ آئی ہو، ایک دوسرا شخص ہے جو آگ کے تنور کے قریب سوتا ہے، اس نے بھی نیند کرلی۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کی رات بسر ہوئی، دونوں کی شب گذاری میں فرق یہ ہوا کہ تنور کے قریب سونے والے نے رات کو ۳ بجے اٹھکر خدا کو یاد کیا دعا مانگی کہ یا اللہ میری رہبری فرما اور جس کام کے لئے مجھے مامور کیا ہے اس کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما، میں سمجھتا ہوں شب تنور اس شب سمور سے

Marfat.com

ہزار بار بہتر ہے۔

کیا میں نے زندگی سے کچھ حاصل کیا ہے یا جس طرح دھرتی سے آیا ہوں، اسی طرح بغیر کسی کام کے واپس لوٹ رہا ہوں۔ اس طرح کی زندگی کسی باعزت انسان کے لئے زیبا نہیں۔ انسان لڑائی جھگڑے، نفرت اور نفاق کے لئے تو پیدا نہیں ہوا۔ اسے اعلیٰ مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ہم امام حسین کی یاد مناتے ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ کی یاد مناتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے قربانیاں دیں اور تکالیف برداشت کیں۔ امام حسین نے شہید ہو کر صداقت کی مثال قائم کی۔ اسی طرح جو لوگ اللہ کی راہ میں مصائب برداشت کرتے ہیں۔ وہ شھدا ٔالناس میں شامل ہیں ہے۔ وہ شہید ہے یعنی اس بات کا شاہد ہے کہ ایک عظیم ہستی موجود ہے۔ جس کے سامنے اسے جوابدہی کرنی ہے۔ وہ شاہد ہے کہ ہمیں زندگی ایک بڑے مقصد کے لئے دی گئی ہے' اس لئے آج میں لیکچر دینے نہیں آیا ہوں۔ میں صرف خدا کا شکر ادا کرنے آیا تھا کہ جس نے ہمیں ایک سال تک مل کر کام کرنے کا موقع دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اگر ہم اس ادارے میں رہنا چاہتے ہیں تو ہم سب کو مل کر اللہ سے دعا مانگنی چاہئے کہ وہ ہمیں مزید مہلت دے تاکہ ہم ایمانداری اور دیانتداری سے وہ کام کریں، جس کے لئے ہمیں مامور کیا گیا ہے۔ اہل سندھ ہماری یونیورسٹی سے بڑی توقعات وابستہ کر رہے ہیں کہ یہاں نوجوانوں کی تعلیم و تربیت ہو گی۔

کھیت میں کام کرنے والا کسان ہمارے لئے اناج پیدا کرتا ہے۔ پنخالی ہمارے لئے پانی بھرتا ہے۔ مزدور ہمارے لئے گھر بناتا ہے۔ ہزاروں انسان کام کر کے ہمارے لئے زندگی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ ہم اگر ان کے بچوں کی صحیح تعلیم و

Marfat.com

تربیت کا بھی انتظام نہ کریں اور اس سلسلہ میں سستی، کوتاہی اور غیر ذمہ داری سے کام لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کی محنت کی قدر نہیں کی، ان کا فرض ادا نہیں کیا۔ ہماری یہ غیر ذمہ دارانہ روش ظاہر کرتی ہے کہ ہم عزت کے مستحق نہیں، عزت و احترام کے اصل مستحق تو وہ لوگ ہیں، جو فصل بو کر ہمارے لئے اناج فراہم کر رہے ہیں اور اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت سے فائدہ اٹھا کر سخت محنت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کریں گے، تاکہ اہل سندھ کہہ سکیں کہ اس تعلیمی ادارے نے اپنا حق ادا کیا ہے۔

Marfat.com

ذمہ داریوں کی ادائیگی

اور بامقصد زندگی کی دعوت

حضرات! ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ آجکل ہماری روایات تیزی سے رخصت ہورہی ہیں۔ اسلامی طرز زندگی یہ تھی کہ بڑے سے بڑا عالم بھی اپنے معاش کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرتا تھا۔ ایسے ہزاروں عالم ملیں گے، جنہوں نے روزگار کے لئے موچی اور دھوبی اور دستکاری کے پیشے اختیار کئے تھے۔ ہمارا سماجی نظام اس طرح کا تھا کہ ایک غلام اور حبشی عالم کو بھی مکہ مدینہ میں امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ ہمارے بہترین عالم پنجالی اور موچی وغیرہ تھے۔ قرآن شریف کے ارشاد کے مطابق جو شخص عمل صالحہ کرے گا، وہی عزت اور احترام کا مستحق ہے۔ 'ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم' تم میں سے اللہ کے نزدیک تکریم کے لائق وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ عمل صالح کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص پر جو ذمیداری عائد کی گئی ہے، اسے احسن طور پر پورا کرے۔ اس میں معمولی اور بھاری ذمہ داری اور کام کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے کہ ایک شخص دھوبی ہے تو دوسرا بادشاہ ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ایک شخص معاون دفتر ہے تو دوسرا وائس چانسلر ہے، لیکن جو شخص اپنے فرائض کی ادائیگی میں اپنی اعلیٰ صلاحیتیں صرف کرتا ہے، وہی شخص قابل احترام ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ معمولی کلارک کیا کرسکتا ہے تو وہ دراصل غلط فہمی کا شکار ہے۔ معاشرے کے لئے ایسا شخص ہی مفید اور کارگر ہے۔ ذمہ داریوں کی

Marfat.com

ادائیگی کے بغیر سارا ملی نظام تلپٹ ہو جائے گا۔ آج ہمارے ملک کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ کیا کہیں انسانیت موجود ہے۔ ہر جگہ ظلم کا دور دورہ ہے۔ عام ملازم ہو یا افسر ہو، کوئی شخص بھی ایمانداری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے تیار نہیں۔ جب الیکٹریشن کا کام کسی کو دیا جاتا ہے تو وہ ایمانداری کی بجائے دھوکہ دہی کی کوشش کرتا ہے اور غیر قانونی طور پر فائدہ حاصل کرنے کی تگ ودو میں رہتا ہے۔ اگر حکمران ناجائز طور پر دولت بناتا ہے تو اس میں اور دھوکہ دینے والے الیکٹریشن میں آخر کیا فرق باقی ہے۔ اگر بادشاہ دوسروں کے پیسے پر گذر سفر کرتا ہے تو آخر فقیر اور بادشاہ میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ جب ہم میں سے کسی کو ذمیداری دی جائے، وہ جھاڑو دینے کا کام ہو یا نظام حکومت سنبھالنے کا۔ اس کام کو منصبی ذمہ داری سمجھ کر بہتر طور پر سرانجام دینا چاہیے۔ جو شخص دیانتداری کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نہیں نبھاتا، وہ کسی تکریم کے لائق نہیں، جو حکمران بے ایمان ہو جائے یا نااہلی کی وجہ سے اپنے فرائض کی ادائیگی سے قاصر ہو جائے تو ایسا حکمران اس بھنگی سے بھی بدتر ہے، جو اپنی ڈیوٹی بہتر طور پر انجام دے رہا ہے۔ اس لئے ایک مسلمان کے لئے رزق حلال کی تلاش فرض قرار دیا ہے۔ 'طلب الحلال فریضۃ علی کل مسلم' (رزق حلال کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (حلال کمائی سے مراد اپنی بہتر صلاحیتوں کے بھرپور استعمال سے ایمانداری کے ساتھ روزی کی کاوش کرنا ہے)۔

میرے عزیز ساتھیو! آئیں، اس حکم کے مطابق اس چھوٹے سے ادارے کو ایک مثالی تعلیمی ادارہ بنائیں، جو نہ صرف پاکستان بلکہ ساری دنیا کے لئے قابل تقلید ہو۔ اس اعتبار سے کہ یہاں کوئی فرد ایسا نہ ہو، یہ سوچ کہ میں کلارک ہوں' یا آفیسر

Marfat.com

ہوں بلکہ سوچ یہ ہونی چاہیے کہ ہم سب کام کرنے والے افراد ہیں، بلکل اس طرح جس طرح ایک گھر میں افراد مل کر کام کرتے ہیں۔ نیز ہمیں پاکیزہ مقصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اور یہ مقصد اللہ کی رضا ہونی چاہیے۔

ایک بار پھر آئیں یہ عہد کریں کہ یہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں، جو غیر ذمیدار ہو۔ یہاں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو اپنے مطلب بر آوری کے لئے کام کرتا ہو۔ یہاں کوئی سست اور کام چور فرد نہیں اور کوئی بے ایمان فرد نہیں۔ نیز یہاں حرام کمائی کی خواہش رکھنے والا کوئی فرد نہیں ہے۔ اگر ہم نے اپنے عمل سے اس دعویٰ کو ثابت کیا تو پھر اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش میں برکت دے گا۔ اور ہم اس انعام کے مستحق ہوں گے، جو فطرت فرض شناس اور محنت کش لوگوں کو عطا کرتی ہے۔ یونیورسٹی کا مقصد ہے آفاقی تعلیم کے مقاصد کو ساری دنیا میں پھیلایا جائے، یہ مقصد مذکورہ اصولوں پر عمل کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے، استاد کہلوانے کا استحقاق بھی اس کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ذمہ دارانہ کردار کی ادائیگی کی صورت میں دوسری یونیورسٹیاں ہماری تقلید کرتے ہوئے خوشی محسوس کریں گی۔ یہ ضروری ہے کہ جو عمل کیا جائے، وہ اللہ کی رضا کی خاطر کیا جائے، یہی وہ راستہ ہے، جس سے ہمارا ادارہ بلند مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ کی رضا کے لئے کیا جانے والا ہر کام اس کی بندگی میں شامل ہے۔ اللہ کی بندگی اور عبادت کا صحیح تصور یہ ہے کہ زندگی میں جو کچھ کیا جائے، وہ اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ سندھ کے شاعر لطیف نے کہا ہے کہ 'ستا سی سونهن ننڊ عبادت جن جي' ہماری نماز کا مقصد اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم نماز کی حقیقی اہمیت سے بے خبر ہیں۔ نماز کے وقت ہم جو نیت کرتے ہیں، انی کے لفظ سے کرتے ہیں۔

Marfat.com

نیت کی تصحیح کا دارومدار اس جملہ کے ادراک پر ہے۔

'انی وجهت وجهی للذی فطر السموٰات والارض' میں یقین کے ساتھ اپنی پوری توجہ اس ہستی کی طرف کر رہا ہوں، جو آسمان اور زمین کی خالق ہے۔ لیکن جب تک ہم 'انی' لفظ کا مطلب نہیں سمجھتے، اس وقت تک نماز کی ادائیگی کے قابل کیسے ہوں گے۔ ماضی میں ہمارے اسلاف کی حالت یہ تھی کہ وہ بلا مقصد قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ اس کے برعکس موجودہ دور میں ہماری حالت یہ ہے کہ ہم سرے سے مقصد سے ہی خالی ہیں۔ ہماری عید، ہمارا روزہ اور ہمارے سارے اعمال اس کا آئینہ دار ہیں۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ عید کی معنی لوٹ کر آنا ہے۔ اس لئے یہ عید دوبارہ آئے گی، اگر اللہ نے چاہا تو ہم پھر ملیں گے۔ لیکن یہ اسی وقت مبارک ہو گی، جب وہ اللہ تعالیٰ کے مقصد کے فروغ کے لئے ہمیں متحد کر دے، اس وقت ہمارے ملک کے حالات ایسے ہیں کہ عام زندگی گذارنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔ یہ بات بجائے خود عجیب ہے کہ ہم پچھلے چار سال سے زندہ ہیں۔ اور ہمارا ادارہ ختم نہیں ہوا۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ ہم یہاں ایک دوسرے سے دل کی باتیں کر رہے ہیں۔ اب جب تک عید دوبارہ آئے، آئیں، ہم اپنی اجتماعی کاوشوں کو جاری رکھیں۔ اس چھوٹے ادارے کے انتظامی امور کو بہتر بنائیں۔ جامعہ سند کو علم کا مثالی گہوارہ بنائیں، جو ساری دنیا کی رہنمائی کی خدمت سرانجام دے۔

تم نوجوان ہو اور توانائی سے بھرپور ہو۔ تم جذبات سے بھی سرشار ہو۔ اور تمہارے اندر توانائی موجود ہے۔ تم ہر چیز کو مکمل کر سکتے ہو۔ اسلئے میری تمہیں

Marfat.com

نصیحت ہے کہ تم اپنی دلوں سے دولت کی لالچ اور ہوس کو نکال دو اور اس طرح کام نہ کرو کہ محسوس ہو کہ تمہاری زندگی کا مقصد پیسا کمانا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب تم اس گھٹیا اور پست سوچ کو ذہن سے نکال دو۔ پست سوچ اور غلط خیالات کو نکالا دینے سے ہی تم اپنی یونیورسٹی کو دنیا میں با مقصد ادارہ کی حیثیت سے پیش کر سکتے ہو۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپس میں اتحاد اور دلی رابطہ ہو۔ ساتھ مل کر کام کرنے کا جذبہ ہو، جس طرح ایک مشین کے پرزے ہوتے ہیں۔ اگر ایسا ماحول قائم رہا تو انشاء اللہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ آئیں، مقام محمود کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یا اللہ! ہمیں فکر سلیم عطا فرما۔ اور نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہو۔

اقبال کی خودی کا فلسفہ

ایک درد انگیز پیغام

کچھ حضرات ۲۱ اپریل پر یہاں جمع ہوکر اقبال کی روشن روح کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

یہاں جمع ہونے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ کسی شخص سے بس لفظی عقیدت اور احترام کا اظہار کیا جائے، کیونکہ روشن روح کو ظاہری عزت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ سوئے ہوئے ہیں اور وہ اس طرح کے مواقع پر اپنے آپ کو بیدار کرنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں اور اکثریت کی تو حالت یہ ہے کہ وہ ان مواقع پر بھی بیدار نہیں ہوتے اور وہ افراد جو میری طرح ستر سال کے ہوگئے ہیں، لیکن وہ صبح شام ہر وقت سوئے ہوئے ہیں، جب صبح اور شام کو وہ اٹھتے ہیں تو سمجھتے ہیں، سورج ابھرتا اور ڈوبتا ہے۔ دراصل یہ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی کہانی نہیں ہے، بلکہ یہ خود ان کے ابھرنے اور ڈوبنے کی کہانی ہے۔ ہر وہ شخص جس کے بارے میں ہم سمجھتے ہیں کہ وہ نسبتاً زیادہ بیدار ہے تو اس کی یاد ضرور ہمیں بیدار کرنے کا ذریعہ بنے گی اس لئے ہم کوشش کرکے ہر سال اس طرح کے بیدار انسانوں کی یوم پیدائش یا یوم وفات کے موقعہ پر تقریبات منعقد کرتے ہیں۔ اس طرح کے پروگراموں سے ہمارا مقصود یہی ہے کہ بیدار ہونے کی صورت پیدا ہو سکے۔

آج ہم پھر جمع ہوئے ہیں تاکہ شاعر اقبال کے اس دن کی یاد تازہ کریں، لیکن

Marfat.com

اقبال کی یاد تازہ کر کے ہم ان کی شاعری پر گفتگو کم ہی کرتے ہیں۔

مجھے گوئٹے کی ایک بات یاد آ رہی ہے، وہ ایک موقعے پر جب ویانا جارہا تھا تو ایک نوجوان، جو اسے جانتا تھا، اس نے سلسلہ گفتگو میں گوئٹے سے کہا کہ اگر آپ گوئٹے ہیں تو میں بھی کوئی چیز ہوں، اس نوجوان کی اس بات پر گوئٹے کو حیرت بھی ہوئی، لیکن وہ مسکرائے۔ جب وہ گھر پہنچا تو اس نے اپنے سکریٹری سے کہا کہ ایک نوجوان صبح کو مجھ سے ملا تھا، جس نے مجھے احساس دلایا کہ میں گوئٹے ہوں، جس کی اسے کوئی پرواہ نہیں ہے، لیکن اس سادہ لوح نوجوان کو یہ علم نہیں ہے کہ گوئٹے کوئی چیز نہیں، لیکن اس طرح اس نے دراصل ایک شاعر کی توہین کی ہے۔ ہماری حالت بھی کچھ اس طرح کی ہے کہ ہم زندہ ہیں، لیکن ہمیں معلوم نہیں کہ ہم کیوں زندہ ہیں اور ہمارا مقصد کیا ہے۔

ہیدار شخصیتوں کی یاد کے حوالے سے ہمیں زندگی کی کچھ جھلکیں ملیں گی، اگر ہم نے آج کی تقریب سے کچھ حاصل کیا تو فبہا ورنہ ہماری حالت وہی ہو گی جو سونے والوں کی حالت ہوتی ہے۔ اب میں مسٹر افتخار کو دعوت دوں گا کہ وہ مسز ایلسا قاضی (مدر ایلسا قاضی) کا اقبال کے سلسلے میں کہا ہوا شعر پڑھ کر سنائے۔

میں نے اس تقریب میں ڈاکٹر کاروانی صاحب کی تقریر سنی، انہوں نے خودی کے موضوع پر گفتگو کی، انہوں نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ دوسرے مقرر مظہر الدین صاحب تھے، جنہوں نے بے خودی کے بارے میں بتایا، تاکہ تم خودی کا دوسرا پہلو بھی دیکھو، لیکن خودی اب بھی ایک معما بنی ہوئی ہے۔ اب اگر خودی کا ترجمہ 'خود کرنے والا' کریں گے تو اس سے بہت سی باتیں پیدا ہوں گی۔ لیکن خودی اور

Marfat.com

بے خودی کی ایسی کوئی معنی نہیں۔ بہر حال دونوں مقرروں نے دونوں پہلو بیان کئے یہ حضرات نہ صرف اقبال کے فکر سے واقف ہیں، بلکہ وہ اقبال کے بارے میں دو کتابوں کے بھی مصنف تھے۔ ایک نے اقبال کی خودی پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر آف فلاسافی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اور دوسرے نے 'اقبال اور قومیت' کے موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ جو بہت عمدہ کتاب ہے۔ اور پڑھنے کے قابل ہے۔ میں تمہیں اس کے مطالعہ کا مشورہ دوں گا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ایران رہ چکا ہے۔ اور ایرانی اقبال کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، کے موضوع پر انہوں نے گفتگو کی۔

مجھے اس سلسلے میں ایک بات پیش کرنی ہے، وہ یہ کہ ایسے شاعر بہت کم ہیں جنہوں نے بیک وقت دو زبانوں میں شاعری کی ہو، ایک اپنی مادری زبان میں اور دوسری غیر مادری زبان میں۔ اگر ایسے شاعر ہیں بھی تو انہوں نے دوسری زبان میں چند اشعار کہے ہیں، جنہیں شاعری نہیں کہا جا سکتا۔ چند اشعار کہنا شاعری نہیں ہے، اقبال کی شاعری فارسی میں بھی ہے، جس کے بارے میں ایرانیوں کا کہنا ہے کہ یہ شاعری چند کلاسیکل شاعروں مثلاً حافظ، سعدی، رومی، کی طرح کی شاعری ہے۔ رومی کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہوں گا، کیونکہ ان کی زبان زرخیز نہیں۔ ان کے خیالات یقیناً بلند ہیں، لیکن ان کی استعمال شدہ زبان شاعری کا نمونہ نہیں ہے۔ حافظ کی شاعری کی سطر گائی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اقبال اپنی فارسی شاعری میں منفرد مقام کے حامل ہیں، ان کی یہ شاعری اجنبی زبان میں ان کا بڑا کارنامہ ہے۔

آپ نے ڈاکٹر کاروانی کی تقریر سنی، انہوں نے بہت سی باتوں کا ذکر کیا، جن کے بارے میں مجھے اعتراف ہے کہ میں ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ اقبال نے یہ سب کچھ بتایا

Marfat.com

ہے، جس کا انہوں نے اپنی تقریر میں ذکر کیا، ہر وہ چیز جو ہمیں تجربے سے حاصل ہو سکتی ہے، اقبال نے ہمیں وہ بتائی ہے۔ مشرق و مغرب کے سارے افکار کا انہوں نے مطالعہ کیا ہے اور اس کا حاصل انہوں نے اپنی فکر میں پیش کیا ہے۔ اس قسم کی شاعری کو عام زبان میں یورپین مزاج کے مطابق اصلاحی شاعری کہا جاتا ہے۔ اصلاحی شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں جذباتی انداز فکر کم ہوتا ہے۔ اس کا تعلق فلسفے اور تصورات سے ہوتا ہے، اس میں احساسات اور جذبات کا پہلو کم ہوتا ہے۔ اس میں شاعری کے سارے لوازمات موجود ہوتے ہیں لیکن صرف شعر لکھنے سے تو شاعری نہیں ہو سکتی، اس لئے وہ اصلاحی شاعری کو نہیں مانتے، عربوں کی یہ روایت رہی ہے کہ ان کے ہاں شاعر قدرتی طور پر پیدا ہوتے تھے۔ اور تک بندی اور کافیہ کے بغیر بات ہی نہیں کر سکتے تھے، وہ اکثر شاعری کے طرز پر کتابیں لکھتے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے طب کی کتابیں پڑھی اور دیکھی ہیں، جو شاعری میں لکھی ہوئی ہیں، عام حرفت اور علم طب کی کتابیں بھی عربی شاعری میں لکھی ہوئی ہیں۔ مثلاً سہل کی کتاب جو میڈیکل کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے، وہ شاعری میں لکھی ہوئی ہے۔ اور اس میں تک بندی اور کافیہ نظر آتی ہے کہ گویا ایک شخص عام فرد سے گفتگو کر رہا ہے۔ اس طرح یہ عربوں کی فطرت تھی اور شعر شاعری ان میں پیدائشی طور موجود تھی۔ اس لئے انہوں نے کتابیں شاعری میں لکھیں۔ لیکن اس سے وہ شاعر نہیں ہوتے اور ہم انہیں شاعر نہیں کہہ سکتے۔ کچھ یورپی شاعروں نے بھی فلسفہ پر مشتمل کتابوں کو شاعری میں لکھنے کی کوشش کی ہے، جسے حقیقت میں ہم اصلاحی شاعری کہتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقی شاعری نہیں ہے، کیونکہ یہ گائی نہیں جا سکتی۔ کارلائل جس نے خود بھی کچھ شاعری کی ہے، وہ کہتا ہے میں شاعری کو خیر آباد کہتا ہوں۔ میں شاعر نہیں اور شاعری نہیں چاہتا۔ بائیبل

Marfat.com

(انجیل) نثر میں ہے۔ وید نثر میں ہیں۔ قرآنی تعلیمات بھی نثر میں ہے۔ کیا نثر میرے لئے بہتر نہیں! جب تک شاعری میں آہنگ اور موسیقی موجود نہیں اس وقت تک وہ نہیں لکھنی چاہیے۔ اس لئے کارلائل نے شاعری چھوڑ دی۔

اب ایک شخص سوچتا ہے کہ شاعری وہ ہے جو گائی جاسکے تو پھر نصیحت آمیز شاعری نہیں ہے پھر اس نے نثر میں لکھنا شروع کیا۔ اب تم کہو گے کہ اقبال خود تسلیم کرتا ہے کہ میں بلبل اور گل کے بارے میں نہیں لکھتا۔ میں شاعر نہیں ہوں میری فکر کو شاعری نہ سمجھا جائے۔ اگر وہ شاعری نہیں ہے تو آخر وہ کیا ہے؟ اقبال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چونکہ وہ اصلاحی پیغام کے حامل اور مثبت فکر کے علمبردار ہیں اس لئے ان کی فکر کو شاعری نہ سمجھا جائے بلکہ وہ شاعری کے منفی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں، جس طرح اس اعتبار سے وہ 'الشعراء یتبعھم الغاؤن' کہتا ہے کہ میں شاعر نہیں ہوں رومی بھی یہی کہتا ہے۔

بد ترین چیزے بد ترین از شاعری است

رومی کہتا ہے کہ شاعری میں اس لئے کہتا ہوں تاکہ اپنے دوستوں کی تسکین ہوسکے، لیکن شاعری بذات خود خراب چیز نہیں چونکہ شاعری کو قرآن شریف ناپسند کرتا ہے، اس لئے کوئی بھی شاعر ہونا نہیں چاہتا۔ اقبال شاعر کہلواتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بلبل اور پھول مجھے تحرک میں نہیں لاتے۔ دوسری طرف حافظ کو بلبل اور قمری تحرک میں لاتے ہیں۔

بصد بلبل و قمری اگر نہ نوشی مئی
علاج کہ کنمت آخر الدواء کئی

وہ کہتا ہے کہ اگر بلبل اور قمری کے آواز سے تحرک پیدا نہیں ہوتا تو پھر اس کا کیا

علاج ہے یعنی آخر تحرک کس طرح برپا کیا جائے۔ اس کا آخری علاج یہ ہے کہ فرد کو داغ دیکر جلایا جائے دوسرا کوئی علاج نہیں۔ کیا تم حرکت میں اس وقت آؤ گے جب داغا جائے گا کیونکہ دوسری کوئی چیز تمہیں تحرک میں نہیں لا سکتی۔ یہ حافظ ہے جو دوسرا رخ پیش کرتا ہے۔ اب اقبال کے شعر کی وہی سطریں جو محمد حسین نے پڑھ کر سنائیں، میں اپنے آپ سے پوچھتا ہوں کہ 'من کیستم' وہ اس کا جواب 'موجیم' میں دیتا ہے' فارسی کے شاعر اقبال نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے۔

موجیم کہ در آسودگی ما عدم ماست

ما زندہ از آنیم کہ آرام نہ گیریم

میری خوشحالی میرے لئے موت ہے۔ میں زندہ ہوں کیوں کہ آرام نہ کرنے اور اضطراب کی خصوصیت میرے اندر موجود ہے۔ مجھے متحرک ہونا چاہیے۔ اقبال کے ہاں یہ فکر بھی پوری طرح موجود ہے کہ میں کیا ہوں، دراصل اقبال کی خودی کا حاصل بھی یہی ہے، جس کی وجہ سے موجودہ دور میں کچھ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، اب خودی جیسا کہ میں نے کہا کہ اس کا ترجمہ 'خود شناسی' ہونا چاہئے، خودی کے اس ترجمے کے بعد اس کے مدارج ہیں، مثلاً نچلی سطح، کچھ بلند سطح، اعلیٰ سطح اور اس سے بھی اعلیٰ سطح، "شخصیت" کے ارتقاء کی کوئی حد نہیں ہے، خودی کو اس لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ حیوانی مدارج سے فرشتوں کی بلندی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ شخصیت جو درمیانی درجے حاصل کرتی ہے، خودی اس سے بھی آگے کے مقامات طے کرنا چاہتی ہے۔ اگر میں خودی کی پست سطح پر ہوں تو مجھے اس سطح سے اوپر اٹھنا چاہیے۔ تاکہ میں خودی کا نسبتاً بہتر درجہ حاصل کر سکوں۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تم اس

Marfat.com

زندگی سے دستکش ہو جاؤ، تاکہ دوسری زندگی حاصل کر سکو، گوتم بدھ کہتا ہے کہ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے زندگی نہیں کہتا۔ اقبال خودی کو اسی معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنی طرف سے بات نہیں کرتا! دوسری حالت میں قرآن شریف خدا کا کلام کس طرح کہا جاسکے گا؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ کرتا ہوں وہ اللہ چاہتا ہے۔ جب آپ لوگ مجھ سے پیار کرتے ہو تو اس سے بھی پیار کرو، کیوں؟ کیونکہ میں مکمل طور پر اس کی اطاعت کرتا ہوں اس سے جو حقیقی انا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور گوتم بھی خودی کے حامل تھے، لیکن ان کی خودی کس سطح کی تھی، اور ہماری خودی کس سطح کی ہے، اس لئے خودی خود شناسی کے ایک درجہ سے دستکش ہو کر دوسرا درجہ حاصل کرنا ہے، رومی فرماتے ہیں کہ تم فنا سے خوف زدہ کیوں ہو، جب کہ تمہیں علم ہے کہ تم مٹی سے تخلیق ہوئے ہو، اگر تم مٹی ہو کر فنا نہ ہوئے تو جمادات کیسے ابھریں گے؟ اگر حیوان ہو کر فنا نہیں ہوتے تو پھر انسان کیسے ہو سکو گے، جب تم انسان ہو کر فنا ہو گے تو اس کے بعد ہی فرشتے بن کر ابھرو گے، تم ایک خودی سے دستکش ہو کر دوسری خودی میں منتقل ہوتے ہو۔

یہاں ہم خودی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید خود غرضی اور فرد کی انانیت، اس سے مراد ہے، یہ بجائے خود صحیح ہے۔ اس لئے کہ عام طور پر فرد کی خودی کی حالت یہی ہوتی ہے، لیکن اقبال کی نظر میں خودی سے مراد خود شناسی ہے۔ (جو خدا شناسی کے مراحل طے کرتی ہے۔ مترجم) جس کا مظہر الدین صدیقی صاحب نے اپنی تقریر میں ذکر کیا کہ جب انسان خود قانون بن جاتا ہے۔ خود قانون بن جانے کا مطلب کیا ہے؟ وہ نور ہدایت، جس پر فرد گامزن ہونے لگتا ہے، جب فرد نور

Marfat.com

ہدایت میں رنگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان بعد اور فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت فرد چلتا رہتا ہے، جس طرح قانون کام کر رہا ہوتا ہے۔ ٹینس کہتا ہے کہ ہماری خواہش ہی ہماری رضا ہے۔ اس طرح جب میری رضا اللہ کی رضا بن جاتی ہے تو پھر یہ خودی کی (حقیقی شکل) ہے۔ لیکن میں کیا ہوں، کیا میں خود قانون ہوں، اس لئے کہ قانون اور تم ایک ہی ہو، اس لئے کہ میں تحرک میں نہیں آتا۔ بلکہ قانون تحرک میں آتا ہے۔ میں قانون سے شناخت میں آتا ہوں۔ میں خدائی قانون سے پہچانا جاتا ہوں، قرآن شریف میں ہے کہ حضور ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وہ اپنی طرف سے نہیں کہتے، دوسری صورت میں قرآن شریف اللہ کا کلام کیسے کہا جائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں جو کرتا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، جب تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو ان سے بھی محبت کرو۔ کیوں؟ اس لئے کہ جو حقیقی خودی ہے، میں اس سے جدا نہیں ہوں۔ یہ اعلیٰ خودی جسے حاصل کرنے کے لئے تم آگے بڑھ رہے ہو، اسی سے تم پہچانے جاؤ گے، قانون کیا ہے؟ وہ اس کی مرضی ہے۔ جب اس کی مرضی اور تمہاری مرضی ایک ہو جائے، تمہاری مرضی خدا کی مرضی سے جداگانہ نہ ہو، تم اس کے مطابق زندگی بسر کرو، جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر تمہاری چھوٹی سی خودی اور اللہ کی مرضی اور قانون میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اب اگر خودی اتنی بلند ہو جاتی ہے، جسے تم خودی اور بے خودی کہتے ہو وہ اس سے بلند ہو کر نئی شکل اختیار کرتی ہے، ایسی خودی پر سگیا ہے اور بے خودی وردھ ہے یہ اعلیٰ سنجوگ جوڑی ہے چنانچہ وہ خودی کے بلند مدارج کی طرف بڑھتی رہتی ہے، جو اقبال بتاتا ہے لیکن یہ 'خودی' کس قسم کی 'خودی ہے، یہاں آکر ہم الجھ جاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ

Marfat.com

موجیم کے در آسودگی ما عدم ماست
ما زندہ بہ آنیم کہ آرام نہ گیریم

ایک وقت آتا ہے کہ جب تحرک ختم ہو جاتا ہے، لیکن خودی ختم نہیں ہوتی۔ اس لئے ایک سیانے نے کہا ہے کہ میں اس لئے زندہ ہوں کہ میں سوچتا ہوں، انہوں نے محترم محمد حسین صاحب کی طرح نہیں کہا کہ میں متحرک ہوں، اس لئے زندہ ہوں! انہیں معلوم تھا کہ تحرک سے کچھ آگے بڑھا جا سکتا ہے، لیکن پھر روک دیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ کہتا ہے کہ میں سوچتا ہوں، اس لئے میں زندہ ہوں، میں اپنے خیالوں سے زندہ ہوں پھر چاہے بظاہر میں ساکن اور غیر متحرک ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ میں سوچتا ہوں، ایک مرحلہ آتا ہے کہ سوچ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ جب شب روز بے معنی ہو جاتے ہیں، جہاں تحرک اور کاوش نہیں ہے اس کے باوجود خودی قائم رہتی ہے۔ اس خودی کے دو درجے ہیں لیکن اس معنیٰ میں نہیں جسے عام طور پر ہم سمجھتے ہیں۔ یہ تو حیوانی خودی ہے۔ اس طرح کی خودی کی حالت میں جانور اور شعور میں معمولی سا فرق باقی رہتا ہے، ہم اس سے زیادہ کا دعویٰ نہیں کر سکتے، میرا مقصود کھانا پینا اور عیش کرنا ہے۔ دوسرے کا مقصد بچوں کا بہتر مستقبل ہے۔ اسی طرح ہر ایک معمولی قصد میں مصروف ہے۔ ایک مرغی بچوں کے لئے انسانی ماں سے زیادہ قربانی دیتی ہے؛ اگر تمہاری خودی مستقل طور پر اس سطح پر قائم رہتی ہے تو یہ تو جانور جیسی یا اس سے بھی کم حیثیت کی حامل خودی ہے؛ ایک انگریز نے مجھے کہا کہ ہم زمان و مکان سے الگ رہنا چاہتے ہیں، کیونکہ اس کا وجود نہیں ہے، فقط اللہ تعالیٰ قائم ہے؛ اس لئے ہم زندگی کو زمان سے الگ کرنا چاہتے ہیں، پھر اس زندگی کے بارے میں

Marfat.com

کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ اس مسئلے کو ایک بوڑھے شاعر نے حل کر دیا ہے۔ اس نے پوچھا کس طرح؟ میں نے کہا کہ شاعر کہتا ہے کہ جب میں اس جہاں میں ہوں، تو انسان سے مختلف روپ میں ہوں، لیکن جب میں اپنے کمرے میں جاکر بیٹھتا ہوں تو زمان و مکان سے الگ ہو جاتا ہوں' اس صورت میں میں بالکل مختلف (بلکہ منفرد: مترجم) ہو جاتا ہوں، میں نے کہا، اس محترم نے زندگی کے دونوں پہلوؤں کو جوڑ دیا ہے، اس نے پھر پوچھا کہ وہ کس طرح؟ میں نے دو لفظوں میں جواب دیا، وہ الفاظ تھے 'دست بکار دل بیار' اس کا مطلب ہوا کہ 'میں بظاہر دنیاوی کام میں مصروف ہوں، لیکن بباطن میرا رشتہ محبوب کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ میرا قلب، قلب سلیم کا حامل ہے، قرآن شریف کے مطابق 'الا من اتی اللہ بقلب سلیم' وہ جو قلب سلیم لے کر آتے ہیں اور یہ قلب اہم ہے، انسان کا یہی حصہ خودی ہے، میرے ہاتھ کام کر رہے ہیں، لیکن مجھے دل بھی ہے، اس لئے میں نے محترم سے کہا کہ اس طرح مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ ایک سچے مسلمان نے زندگی کا مسئلہ حل کر دیا، وہ دن کے وقت بادشاہ (ملوک فی النہار) ہے اور رات کے وقت اسے دنیا کی خبر نہیں، 'وتبتل الیہ تبتیلا' میں سوچتا ہوں کہ وہ دن کا بادشاہ ہے اور رات کے وقت وہ اس دنیا میں نہیں ہوتا (ملوک فی النہار رہبان فی اللیل) یہ مسلمان کا اعلیٰ نمونہ ہے جس نے دست بکار دل بیار کی مثال پیش کی ہے، اس طرح اقبال کی ایک سطر پر عمل کرنے سے اعلیٰ حقیقت حاصل ہو سکتی ہے، ایک سطر جس نے مجھے ۲۵ سالوں سے آبدیدہ کیا، وہ یہ ہے۔

پسے نادیدنی ہا دیدہ ام من
مرا دوائے کاشکے مادر نہ زادے

Marfat.com

میں نے کتنی ہی ناشائستہ حرکتیں دیکھی ہیں، جو آنکھوں کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ شیکسپیئر اپنی کتاب 'ہیملیٹ' میں لکھتا ہے کہ میں نے انسانیت کے منافی چیزیں دیکھی ہیں، لیکن جن چیزوں کی مجھے آرزو ہے وہ میں نہیں دیکھ سکا ہوں چنانچہ ایک خوبصورت شعر جس نے ان کے دل کو لرزادیا ہے جس نے ہمارے خون دل میں بھی ارتعاش پیدا کردیا ہے۔

بسے نادیدنی ہادیدہ ام من
مرا دوائے کاشکے مادر نہ زادے

وہ چیزیں جو ناقابل برداشت ہیں، وہ میں نے دیکھی ہیں۔ ہر شخص اگر وہ کچھ دیکھے تو وہ اپنی قوت صرف کرکے ان کی روک تھام کرے، یہ میں کیا دیکھتا ہوں؟ کیا یہ انسانیت ہے؟ کیا تہذیب ہے؟ کیا یہ مرد اور عورتیں اس طرح کی حرکتیں کرسکتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ معاف کرے یہ تو حیوان سے بھی بدتر عمل ہے۔ اقبال کے شعر کی دوسری سطریں جنہوں نے مجھے متوجہ کیا ہے اور دوسرے درددل مسلمانوں کے لئے بھی کشش کا باعث ہیں۔ جو میں نے کئی بار دہرائی ہیں تم شاید اکتا جاؤ لیکن میں بیزار نہیں ہوتا اور وہ سطریں یہ ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایمان کا پیمانہ 'بین الخوف والرجاء' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں امید اور خوف پر منحصر ہے۔ انسان کے دل کا یہ اہم پیمانہ ہے۔ اقبال کہتا ہے: جب تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو تو پھر اپنا وقت بڑے لوگوں اور یہودی جو مالدار ہیں، کے

Marfat.com

سامنے جھکنے میں کیوں صرف کرتے ہو، تم نے انہیں خدا بنا لیا ہے، تمہاری ساری امیدیں ان سے وابستہ ہیں، تم ان سے ڈرتے ہو اور خدا سے نہیں ڈرتے، جب فرد کے لئے زندگی دشوار ہو جاتی ہے، اس وقت تم کہتے ہو کہ ہر چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس سے پہلے خدا سے ناامیدی تھی، جب فرد زندگی کی آخری سانس لیتا ہے تو اس وقت کہتا ہے کہ مجھے خدا کی ذات میں امید ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب امید نہیں، یہ وہ صورتحال ہے، جس میں اقبال کا مذکورہ شعر خون کے آنسو رلاتا ہے۔

جیسا میں نے شروع میں کہا کہ ہم سوئے ہوئے ہیں اور ہماری زندگی تحرک سے خالی ہے ہمیں کوئی احساس نہیں، ہم غیرت سے بھی محروم ہیں۔ ہمارے سامنے ہر قسم کی برائی ہو رہی ہے، لیکن ہم اس کا نوٹس لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ 'امر بالمعروف والنهی عن المنكر' کا حکم ہم نے فراموش کر دیا ہے، اس لئے یہ دو لائنیں یاد کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی بھروسہ کے لائق ہے، وہی کچھ ہے، نفع نقصان اسی سے ہوتا ہے، انسان ہم کو نہیں بچا سکتا۔ ہم اپنی اصلاح کر لیں اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کریں تو حیوان صفت انسان جنہوں نے دنیا کو دوزخ بنا دیا ہے، ان کے لئے حالات مشکل ہو جائیں گے اور وہ اپنی اصلاح کر لیں گے، یہ سب کیا جا سکتا ہے، اگر اقبال کی ان دو سطروں پر عمل کیا جائے بڑی بڑی کتابوں اور فلسفے کو پڑھنے کا کیا فائدہ، اگر ان سطروں میں موجود پیغام پر عمل نہ کیا جائے۔

میری آخری گذارش ہے کہ ۲۱ اپریل کے دن کو فراموش نہ کیا جائے۔ خدا کے لئے ان دو سطروں سے شروعات کی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو پھر اقبال ہم سے جدا نہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور ہمیں لاہور جانے کی ضرورت نہیں، جہاں اس کی قبر ہے، اس

سلسلے میں رومی فرماتا ہے :

بعد از وفات تربت ما بر زمین مجو

در سینہائے مردم عارف مزار ماست

یعنی میری قبر عارف کے دل میں ہے۔ مجھے زمین کی قبر میں نہ دیکھو۔ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں، رومی زمین کے اندر دفن نہیں ہے، رومی کی قبر عارفوں کے سینے میں ہے یہی کچھ اقبال کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے جہاں اس کے اشعار اور کتابیں ہیں، وہاں وہ زندہ ہے، اس کی قبر پر جانے سے بہتر یہی ہے کہ اس کے پیغام سے استفادہ کیا جائے۔ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔

بیدار اور روشن ذہن

خواتین و حضرات! تمہیں معلوم ہے کہ آج ہماری واپسی کا ابتدائی دن ہے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ تعلیم کی شروعات سے پہلے ہم یہاں جمع ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہاں استاد اور شاگرد بیٹھے ہیں جو یہاں سیکھنے آئے ہیں کہ بہتر اور مؤثر طور پر کس طرح پڑھایا جائے۔ اس لئے کہ وہ پہلے ہی پڑھنے پڑھانے کا کام کرتے ہیں۔ اور ہم میں سے اکثر پروفیشنل استاد ساری زندگی استاد کی حیثیت سے ہی کام کرتے رہے ہیں۔

یہاں دو شعبے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر استاد پہلے شاگرد ہوتا ہے اور ہر شاگرد کم و بیش استاد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے لئے یہ بات نئی ہو، لیکن یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی استاد اگر وہ شاگرد نہیں ہے تو اسے استاد کہنا زیبا نہیں اور ہر شاگرد اپنے طور سے ایک استاد ہے۔ وہ کسی نہ کسی وقت سکھا رہا ہے۔ اس کے لئے دوسرا کچھ ہونا ممکن نہیں۔ سیکھنے اور سمجھنے کا کام بچپن سے شروع ہوا ہے۔ اس لئے ہم زندگی میں دو پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ وہ دو کردار استاد اور شاگرد کے ہیں۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ کچھ نہ تو استاد ہیں، نہ ہی شاگرد۔ مجھے یہ بات حضور ﷺ کے اس قول کو یاد دلاتی ہے کہ انسانیت دو طبقوں میں تقسیم ہے۔ استاد اور شاگرد، باقی انبوہ ہے۔ جو لائق توجہ نہیں۔

یہ بہت عجیب بات ہے کہ ہمیں استاد اور شاگرد کا صحیح مفہوم مہذب دنیا نے نہیں دیا، بلکہ ریگستان سے اٹھنے والی شخصیت نے دیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ پڑھنے اور سیکھنے کا پیغام بھی ہمیں انہی ہستی سے ملا ہے، اس سے پہلے اس طرح کا کوئی پیغام نہیں تھا اور

Marfat.com

ہمیں معلوم نہیں تھا کہ لکھنے اور پڑھنے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کسی شخص نے تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، جب تک کہ ریگستانی علاقے سے لکھنے اور پڑھنے کی آواز بلند نہ ہوئی۔

لیکن ایک سوال جو مجھے تین چار دنوں سے پریشان کر رہا ہے کہ ایک شخص نے مجھے کراچی میں کہا کہ ہم مردہ انسان ہیں۔ اور ایک دوسرے شخص نے ان کی بات درست کرتے ہوئے کہا کہ ہم مردے نہیں، سوئے ہوئے ہیں، جب میں کہتا ہوں کہ مردے اور سوئے ہوئے جیسا کہ یونانی عام طور پر کہتے تھے کہ تم سوتا ہوا کھو یا مردہ، ان دونوں میں عملی طور پر معمولی فرق ہے۔

میں اپنے آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہم واقعی نیند کی حالت میں ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے مشکل سے کسی فرد نے اپنے آپ سے دریافت کیا ہو گا کہ کیا وہ بیداری کی حالت میں ہے ؟ اگر میں یہ کہوں کہ یہاں بہت سے افراد نیند کی حالت میں ہیں تو تمہیں میری اس بات پر اعتبار نہیں آئے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم اکثر خواب غفلت میں سوئے ہوئے ہیں۔

چھ ماہ پہلے میں نے ایک مشہور انگریز شخصیت سے ایک سوال دریافت کیا تھا، جو شعبہ فلاسافی کا ڈائریکٹر تھا۔ میں نے پوچھا تھا کہ تمہیں اب تک روشن دماغ کے مالک اور بیدار ذھن کے حامل کتنے افراد ملے ہیں۔ یہ یورپ کی شخصیت ہے اور اس کی ترکی، ایران اور امریکہ آمدورفت رہتی ہے، انہوں نے ساری زندگی انسانیت اور زندگی کے بارے میں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اسے فزکس پر مہارت حاصل ہے، اب وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں ہیں۔ اس کا جواب تھا کہ مجھے اب تک بیدار ذہن کے مالک آٹھ افراد ملے

Marfat.com

ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نے مجھ سے بہت اچھا سوال پوچھا ہے۔ میں نے کہا، مہربانی کر کے مجھے صحیح صحیح بتائیں، انہوں پھر انگلیوں پر گن کر کہا کہ آٹھ مرد اور کچھ عورتیں۔ باقی جتنے افراد سے واسطہ ہوا ہے، وہ سب سوئے ہوئے تھے۔ ہمیں آنکھیں ہیں، لیکن نہیں جانتے کہ وہ کیسے وجود میں آئیں۔ وہ کیا مقصد سرانجام دے رہی ہیں، ان کا دائرہ عمل کتنا محدود ہے۔ کان نسبتاً قریبی آواز سنتے ہیں، لیکن آنکھیں کچھ دور تک دیکھ سکتی ہیں، کیا ہم میں سے کسی نے بھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنکھوں کا مقصد تخلیق کیا ہے۔ اور ان کی بصارت کا حدود اربعہ کیا ہے، کیا ان کی بصارت قابل اعتماد ہے۔ اگر ہم ان کی گواہی پر کام کریں تو کیا وہ ہماری رہنمائی کر سکتی ہیں یا وہ ہماری گمراہی کا ذریعہ بنیں گی۔

بد قسمتی سے آنکھوں سے نہیں پوچھا جا رہا ہے، صرف پیٹ سے دریافت کیا جا رہا ہے اور پیٹ کی حالت یہ ہے کہ اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا (جتنا اسے بھرا جاتا ہے کچھ دیر بعد خالی ہو جاتا ہے) اب میرے پاس وقت ہوتا تو تمہیں تفصیل سے بتاتا کہ آنکھیں کس طرح وجود میں آئیں اور ان سے واضح طور پر نہیں دیکھا جا سکتا۔ اور ان کا مشاہدہ قابل اعتماد نہیں۔ ہماری چمڑی دیکھنے کی صلاحیت سے عاری کیوں ہے۔ ہاتھ دیکھنے سے کیوں قاصر ہیں۔ دماغ میں یہ صلاحیت کیوں موجود نہیں۔ محض آنکھ ہی کیوں دیکھتی ہے؟ اگر میں آنکھیں بند کروں تو کیا ہاتھ آنکھوں کا کام دے سکتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں نہیں ہوتا، دیکھنے کا کام محض آنکھیں ہی کیوں کرتی ہیں۔ ان چیزوں کے بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہم یہاں یونیورسٹی ہال میں بیٹھے ہیں۔ یہاں کئی عالم بھی موجود ہیں۔ ہم دیکھتے

Marfat.com

ہیں کہ ہم میں سے کافی نیند میں چلتے ہیں اور ہم میں سے بہت لوگ ہیں، جو موت تک نیند کی حالت میں چل رہے ہوتے ہیں۔

ایسی صورت میں کچھ افراد سوئے ہوئے ہیں، اور ان سوئے ہوئے افراد میں سے ایک فرد آکر انہیں لیکچر دینے لگے تو اس لیکچر کی کیا اہمیت ہوگی، یہ لاحاصل ہوگا۔ ہم بہت زیادہ بولتے ہیں اور زبان کا بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں جب کہ ہمیں سننے اور دیکھنے کی عادت کم ہے۔ ہماری حیثیت نیند میں چلنے سے مختلف نہیں۔ میں یہاں اساتذہ سے مخاطب ہوں، جو پڑھانے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ وہ افراد دوسروں کو کیا سکھائیں گے، جو خود کچھ نہیں جانتے اور جو اپنے وجود کے بارے میں بھی تاریکی میں ہیں اور ساری کائنات جو ان کے چاروں طرف ہے، اس کی تخلیق اور اپنی تخلیق کے بارے میں بھی وہ لاعلم ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ اب وہ کہاں ہیں۔ اگر میں کہوں کہ ان کا وجود ایک مکھی سے زیادہ نہیں تو تم کہو گے کہ میں عقل سے عاری بات کر رہا ہوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے مکھی جو چھت پر بیٹھتی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ وہ کیوں نہیں گرتی۔ مکڑی چھت پر بیٹھتی ہے اور اس کا سر نیچے لٹک رہا ہوتا ہے، لیکن وہ بھی گرنے سے محفوظ رہتی ہے۔

آپ مہربان جو یہاں بیٹھے ہیں، اب زمین کے جس گول دائرے پر بیٹھے ہیں اور وہ مسلسل چل رہا ہے اور نہایت تیزی سے چل رہا ہے اور تم چھوٹی گیند پر بیٹھے ہو اور مکھی کی طرح سر نیچے اور پاؤں اوپر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود تم گرنے سے محفوظ ہو، کتنے لوگ ہیں، جنہیں اس کا ادراک ہو کہ ہم پانچ فوٹ لمبے قد اور گوشت سے بھرپور جسم میں اپنے آپ کو بڑا اور اہم سمجھتے ہیں اور یہ جسم ساٹھ سال تک قائم رہتا ہے اور بڑی

Marfat.com

عیاری کے ساتھ دنیا کے حصول میں مصروف رہتا ہے۔(ساٹھ ستر سال کی عمر میں دنیا کے حصول کی کوششیں یہ وہ عام طرز عمل ہے جو افراد کا خاصہ ہے) کیا اس طرح انسان کو بیدار کہا جا سکتا ہے؟۔ تم استاد ہو اور یہاں ہزاروں کتابیں موجود ہیں، یہ کتابیں ان مصنفوں نے ہمارے لئے چھوڑی ہیں، زیادہ تر اب دنیا میں موجود نہیں، وہ مصنف اللہ جانتا ہے کہاں گئے، انہوں نے یہ رکارڈ ہمارے استفادہ کے لئے چھوڑا ہے۔

چنانچہ ریگستان سے اٹھنے والی اس شخصیت نے لکھنے پڑھنے کی اہمیت پر زور دیا کہ وہ زیادہ قائم رہنے والا ہے، جب کہ دنیا میں تمہارے قیام کا عرصہ مختصر ہے۔ اس لئے لکھنے پڑھنے کا راستہ اپناؤ، تم استاد ہو، تیرہ سو سال کی تاریخ سے ثابت ہے کہ استاد اپنے لئے صرف ایک چیز کی دعا مانگتا ہے، وہ یہ ہے اے اللہ، میرے علم میں اضافہ کر۔ وہ چودہ سو سال سے دوسروں کو یہی سکھاتا آرہا ہے۔ وہ اب بھی زیادہ علم سیکھنے کی دعا مانگ رہا ہے۔ اس لئے جیسا کہ میں نے کہا کہ میں اساتذہ اور طلبہ سے مخاطب ہوں۔ ایک پیغام جس سے دنیا میں لکھنے پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ دوسری چیز جس کا ہم نے تصور بھی نہ کیا ہوگا، وہ ہے 'انما الاعمال بالنیات' کی تعلیم یعنی انسان کے اعمال اس کی نیت سے ہی پرکھے جائیں گے۔ 'نیت المؤمن خیر من عملہ' مومن کی نیت اس کے عمل سے زیادہ بہتر ہے۔ عمل کی حیثیت ثانوی ہے۔ میں نے عرض کیا ہم خواب غفلت میں سوئے ہوئے ہیں۔ اور نیند کی حالت میں بات کر رہے ہوتے ہیں اور چل رہے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کے قیمتی ساٹھ ستر سال اس طرح گذار لیتے ہیں۔ ہم چند منٹ کے لئے بھی بیدار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ہم جگرافی جانتے ہیں۔ ہمیں شمسی نظام کے بارے میں بھی

Marfat.com

معلوم ہے۔ دھرتی کس طرح وجود میں آئی اور ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے انسان کس طرح پیدا ہوا۔ ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں، لیکن اس کے باوجود حالت یہ ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے اور نیند کی حالت میں زندگی گذار رہے ہیں۔

نظام شمسی، دھرتی اور ارتقاء کے بارے میں ساری معلومات ہم بی اے آنرس کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے حاصل کرتے ہیں، اس معلومات سے ہمیں اس کے علاوہ اور کوئی سروکار نہیں۔

جس بنیاد پر ہم کام کرتے ہیں، وہ نہایت اہم ہے، نیت ہی ہے جو فرد کو بیدار رکھتی ہے۔ اور اسے بامقصد زندگی گذارنے اور آگے بڑھنے کے لئے اکساتی رہتی ہے۔ ورنہ خواب غفلت میں سویا ہوا فرد مقصد زندگی سے خالی ہوتا ہے۔

ایک عورت نیند میں آتی ہے۔ میکاتھ (Macabith) عورت گلاس اور گھڑیال میز سے اٹھا دیتی ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ وہ یہ سب کچھ نیند کی حالت میں کر رہی ہے (لیڈی میکابتھ شیکسپیئر کے ایک ڈرامے کا کردار ہے) اس لئے ہم ساری زندگی میکابتھ کی طرح گذار رہے ہیں۔ ہم اپنے کسی بھی عمل کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ وہ نیت کے اعتبار سے قابل قدر نہیں۔ اس کے باوجود ہم عزت کے مستحق اور تعریف کے قابل ہیں۔ یہ ہے ہماری حالت۔ میں یہاں اساتذہ سے مخاطب ہوں جو دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں، اساتذہ کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے خود سیکھیں اور کچھ بیدار ہوں، انہیں اپنے آپ سے پوچھنا چاہیے کہ میں کیا ہوں، میں سیکھ رہا ہوں اور دوسروں کو سکھاؤں گا۔ لیکن میں دوسروں کو کیا سکھاؤں گا، جب کہ مجھے خود کچھ معلوم نہیں، آخر یہ کہنے سے کیا فائدہ کہ میں استاد اور ماہر بن کر دوسروں کو سکھاؤں گا،

جب کہ حالت یہ ہے کہ میں جانتا ہی نہیں، مجھے یہ معلوم ہی نہیں کہ دھرتی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ مجھے یہ بھی شعور نہیں کہ میرا وجود معدنی جسم میں داخل ہوا ہے، یہی وہ معدنی جسم ہے، جو گفتگو کر رہا ہے یہ معجزہ ہے۔ لیکن یہ معدنی معاملہ ہے اور دھرتی سے میری تخلیق ہوئی ہے اور میرے جسم کی تخلیق پگھلنے والی گیس سے ہی ہوئی ہے۔ میں خاک ہوں اور خاک ہی ہے جو گفتگو کر رہی ہے، اس سے زیادہ حیرت کی بات اور کیا ہوگی کہ مٹی کے اجزاء گفتگو کر رہے ہوں، مٹی میں یہ عمل کس طرح ہوا۔

ہمارے ماہرین بالخصوص علم ریاضی طبعی اور میکنیک کے ماہرین مثلاً برٹنارڈ اور وائٹ ہیڈ اور ہر اچھا ریاضی دان اور طبعیات کے ماہر اعتماد سے کہتے ہیں کہ ایک بات یقینی ہونی ہے اور وہ ضرور ہوگی، اس سلسلہ میں ہم ان سائنسدانوں کی بات پر تو یقین کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن اس ہستی پر جو نبی تھا اور امی تھا، اس پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اب ہم یہ بات برٹنارڈ (BerTnard) اور وائیٹ ہیٹ (White head) اور تمام ریاضی دانوں سے سن رہے ہیں کہ تھرموڈائنامک کے سیکنڈ قانون کے مطابق یہ دھرتی ختم ہو جائے گی۔

اب جو چیز گیس سے وجود میں آئی ہے۔ وہ ایک نہ ایک دن کسی طور سے ختم ہونی ہے۔ یہ طبعی اصول جو سو سال سے وجود میں آیا ہے، اس پر کوئی اختلاف نہیں۔ اب جس ہستی نے دھرتی پیدا کی ہے، جس پر ہم کیڑے مکوڑوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں اس کے نظام شمسی کو سمجھنا چاہیے بلکہ نظام شمسی سے بھی بڑے دائرے کو سمجھنا چاہیے۔ جہاں ہم داخل ہوں گے اور کائنات کا یہ نظام جس سے ہم وابستہ ہیں یہ مسلسل ایک دائرے کے اندر چل رہا ہے، یہ دائرہ ایک دن ختم ہو جائے گا، جو اس کے

Marfat.com

لئے مقرر ہے۔ آخر پیدائش کا مقصد کیا ہے، جب کہ چند سالوں کے بعد ہمیں مرنا ہے۔

ہم اساتذہ جو دوسروں کو سکھا رہے ہیں اور پڑھنے اور پڑھانے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، ہم اپنے آپ کو پروفیسر، ڈاکٹر اور استاد کہلواتے ہیں۔ ہم یہ سب کچھ ہیں۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ نیت افراد کو ایک حد تک بیدار کرتی ہے۔ اس لئے ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں۔ ہمیں اپنے آپ سے دریافت کرنا چاہیے کہ یونیورسٹی میں ہماری تدریس کا مقصد کیا ہے، کیا ہمارا مقصد دوسروں کو سکھانا ہے؟ میں سمجھتا ہوں یہ خود فریبی کی بات ہے اور اپنے آپ سے جھوٹ بولنا ہے۔

میں نے یہاں ریگستان سے اٹھنے والی عظیم ہستی کا نکتہ پیش کیا تھا۔ ان کا فرمان تھا تمہیں یعنی مرد و عورتوں کو اپنی زندگی میں دو چیزوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ 'طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم و مسلمة' پہلی چیز علم ہے یعنی معلومات حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائے اور اس کا مقصد خود شناسی ہو، اس کے علاوہ دوسرا کوئی غرض پیش نظر نہ ہو۔ علم کا یہ ہدف اس ہستی نے بیان کیا۔ جو امی تھا اور جس کے ہم امتی ہیں۔ انہوں نے ہمیں پابند بنایا کہ ہم ایسا کریں۔ دوسرا حکم جو آپ نے دیا وہ ہے، **"طلب الحلال فریضة علیٰ کل مسلم"** ہر مسلمان پر رزق حلال کا حصول فرض ہے، اب علم کی طلب اور رزق حلال کی طلب دو مختلف فرائض ہو گئے ہیں، ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں رہا ہے، یہ موجودہ ساری دنیا کا مسئلہ ہے، اس لئے میں نے کراچی میں ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے امریکی اور برطانوی دوستو! تم نے علم اور معاش دونوں کو ایک دوسرے سے مربوط کیا ہے اس سے تمہارا مقصود علم کی حیثیت

ختم کر کے اسے معاش کا غلام بنانا ہے۔ تمہارے ارادے بہت بڑے ہیں، تم نے علم کی بنیاد میں فساد کو شامل کیا ہے، یقیناً تم کہتے ہو کہ جسم اور روح کو ساتھ رہنا ہے۔ لیکن روح کا کوئی مادی وجود نہیں، جسم اس کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا۔

برطانیہ میں ایک شخص یعنی بادشاہ کی زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ڈاکٹروں کی فوج ظفر موج تھی۔ کہتے ہیں کہ بہترین انتظامات کیے گئے تھے۔ پورا کمرہ آکسیجن سے بھرا ہوا تھا۔ اسی نوے ڈاکٹر اور انگلینڈ کی نرسیں خدمت کے لئے موجود تھیں، لیکن وہ ساٹھ سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ اس کے لئے ہر قسم کی خوراک اور دوا درمل موجود تھیں اور محل کی فضا بھی سازگار تھی۔ لیکن وہ ساٹھ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ زندگی کی زیادہ امید نہیں رکھی جا سکتی۔ پھر آخر تعلیم کو کمانے کا مقصود بنانے کا کیا فائدہ۔

حضرات! میں الفاظ کے استعمال سے نہیں گھبراتا، اس لئے کہ الحمدللہ میں کجی سے دور ہوں۔ میں صاف طور پر کہوں گا کہ تعلیم کو دولت کے حصول کا ذریعہ بنانا اور اس کے اصل مقصد سے دور ہونا، یہ جسم فروشی سے دس گنا زیادہ بُرا ہے۔ جسم فروشی کے بارے میں سندھی شاعر نے کہا ہے۔

'جیسلمیرا ٹین جس جی اللہ کارڻ لنڈیوڻ'

جسم فروخت کر کے صدقہ کرتی ہیں۔ یہ عمل اگر خوراک کے لئے ہے تو یہ بھی قابل برداشت ہے، لیکن یہاں تو حالت یہ ہے کہ اپنے اعلیٰ جوہر ذہن اور روح کو جسم کی خوراک کے لئے بیچا جاتا ہے۔ اب بتائیے، کون سا عمل زیادہ خراب ہے یقیناً دوسرا عمل زیادہ مذموم ہے۔

آج ساری دنیا میں جو مسائل پیدا ہوئے ہیں، وہ علم اور روزگار کو ایک دوسرے کا

حصہ بنانے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ امریکا، برطانیہ، پاکستان ہر جگہ صحیح سوچ مفقود ہو گئی ہے کہ علم کا ہدف کیا ہے اور کمانے کا مطلب کیا ہے۔ دونوں کو بچوں کی بے وقوفی کی طرح ایک دوسرے سے مربوط کیا گیا ہے۔ اگر اس کی تاریخ بیان کی جائے کہ یہ جرم کس طرح ہوا ہے تو محسوس ہو گا کہ اس گناہ میں ہم سب شریک ہیں۔

چودہ سو سال پہلے علم کا تعلق معاش سے بالکل نہیں تھا اور اس کا تصور بھی نہیں تھا کہ علم کو روزی کا ذریعہ بنایا جائے گا۔ اس وقت کتابیں نہیں تھی، لکھنے کا رواج کم تھا۔ پھر کتابوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ سو سے ہزاروں تک کتابیں پہنچ گئی۔ ابتدا میں حکمران وہی ہوتا تھا، جو نہایت باشعور اور ماہر تعلیم ہوتا تھا، جو عوام کی رہبری کرتا تھا، وہ عوامی معاملات اور قومی مسائل کے حل کے لئے کسی کی رائے کا انتظار نہیں کرتا تھا، وہ خود رہنمائی کے قابل تھا۔ لیکن دو صدیوں کے بعد صورتحال میں تبدیلی ہوئی اور ایک بے ہودہ بات پیدا ہو گئی۔ اب (خاندانی ورثے کے طور پر) ملک کا حکمران ایک جاہل لڑکے کو بنایا گیا اور موروثی بادشاہت میں یہی ہوتا رہا۔ طرز حکومت میں اس تبدیلی کی وجہ سے مسائل کے حل کے لئے یہ متبادل طے ہوا کہ قانونی مسائل موروثی بادشاہوں کی بجائے فقیہ صاحبان حل کریں گے۔ اس سے معاشرہ میں فقیہوں کا طبقہ مضبوط ہوا۔ قوم کا تعلیم کی طرف رجحان بڑھنے لگا، اس لئے کہ اس سے اچھے وظیفے کی امید پیدا ہو گئی اور سلطان سے قرب کی صورت بھی۔ چونکہ سلطان جاہل ہے۔ اسے قانونی معاملات میں رائے معلوم کرنی ہے۔ جس طرح پہلے سوسائٹی میں ہوتا تھا۔ وہاں ایک قانون گو ہوتا تھا۔ 'قانون گو' کی اصطلاح تین ہزار سال سے تاریخ سے گم ہو گئی ہے، اس کی ساری تاریخ بیان کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس کی بڑی تاریخ ہے اور حکومت و

Marfat.com

انتظامیہ سے متعلق قانونی معاملات میں لوگ اس کے پاس آتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ تم ہمارے "قانون گو" ہو، ہمیں بتاؤ کہ اس معاملہ کے لئے کیا قانون ہے اور ہمارے آباؤ واجداد اس پر کیسے عمل کرتے تھے اور ہم کس طرح عمل کریں۔ اس شخص کو 'قانون گو' کہا جاتا تھا۔

جب مسلمانوں میں بادشاہی وراثت کا سلسلہ شروع ہوا تو (اس کے کچھ عرصہ کے بعد) ہمارے ہاں قانون کی تشریح کے لئے فقیہوں کی ضرورت لاحق ہوئی، وہ سلطان سے قریب تھے اور وہ اختیارات کے مالک تھے۔ یہاں تک کہ وہ سلطان کو داڑھی سے پکڑ کر کہتے تھے کہ یہ غیر قانونی کام ہے، جو تم کر رہے ہو۔ وہ بادشاہ کی اصلاح کا بھی ذریعہ بنتے تھے۔ ہمارے ہاں فقہ اور قانون سے وابستہ افراد کا طبقہ اس طرح پیدا ہوا۔ اس کی وجہ سے خلافت کے دور سے قائم ہماری روایات میں بگاڑ ہوا۔ اس وقت معاش تعلیم سے بالکل جداگانہ چیز تھا اور حکومت کا سربراہ علم سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ دوسری صورت میں وہ اس عہدے کے لائق نہیں ہوتا تھا۔ اب علم سیاست کی صورت اختیار کر گیا۔ اس طرح معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔

پھر ایسا وقت آیا کہ غزالی کے مطابق اگر کوئی عالم دین سلطان کے دربار میں جاتا ہے تو وہ عالم نہیں ہے، غزالی یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسجد میں لالٹین کے لئے تیل سلطان کی طرف سے آتا ہے تو وہاں نماز پڑھنا روا نہیں، کیونکہ وہ پیسا حرام ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہے، اس لئے اس پیسے کا استعمال جائز نہیں۔ اب یہ نئی صورت حال پیدا ہوئی تھی۔ یہ سلسلہ ہزار سالوں تک جاری رہا اور علم فن کی صورت اختیار کر گیا اور پیسے کے حصول کی خاطر تعلیم حاصل کی جانے لگی۔ یوں کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ جسم

Marfat.com

فروشی کی گئی۔ اس سے پہلے کیا تھا؟ اس سے پہلے ہمارے پاس کتابیں تھیں، جو بڑے علماء نے لکھی تھیں، جو یا تو دھوبی تھے یا پھر پخالی یا جلد ساز! ایک طرف وہ بڑے عالم تھے تو دوسری طرف اپنے کندھوں پر کپڑے رکھ کر بازار میں بیچتے تھے۔ وہ صبح سے بارہ بجے تک کپڑا بیچنے کا کام کرتے تھے، اس کے بعد وہ باقی وقت علم کے حصول میں صرف کرتے تھے۔ روشنی حاصل کرنی چاہیے، نہ کہ دولت کے لئے تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ گوتم بدھ نے بھی یہی الفاظ کہے تھے کہ کیا یہ وہی زندگی ہے، حقیقی زندگی کہاں سے حاصل کروں۔ محلات میں شہزادوں کی طرح زندگی کب تک بسر کروں گا۔ لطیف سسئی کی زبان، جس نے اپنے گھر کو خیر آباد کہا تھا، کہتا ہے کہ 'متیوں موتئ سندیون کاکیون کین ڈیوم "وہ کہتی ہے، میں جاؤں گی، محبوب کی تلاش کیلئے میں پہاڑوں میں جستجو کروں گی، وہ جہاں بھی ہوں گے وہاں جاؤں گی۔ مجھے راستے کی مشکلات کی کوئی پرواہ نہیں۔ چاہے مجھے موت ہی آئے۔' ہمارا سفر کسی اور طرف نہیں، بلکہ موت کی طرف ہے، کیا ہم نے کبھی اپنے آپ سے پوچھا ہے کہ ہماری منزل کیا ہے۔ موت ہی ہماری منزل ہے۔ لیکن ہم کہاں جارہے ہیں۔ آئیں، دیکھیں کہ کیا موت کے بعد کوئی زندگی ہے۔ اگر ہے تو اسے سمجھنا چاہیے۔ (دراصل علم کا مقصد ہی مستقبل یعنی آخرت کی زندگی کے بارے میں معلومات اور تیاری ہے) اس کے لئے علم سکھایا جاتا ہے اور حاصل کیا جاتا ہے۔ آجکل یورپ، امریکا، پاکستان اور ہندستان میں علم کی جو درگت بنائی گئی ہے، وہ بہت المناک ہے اور وہی پرانی صورتحال ہے، جس کے مطابق علم کو عہدوں کے لئے اور بادشاہ کے قرب کے حصول کے لئے حاصل کیا جاتا تھا۔ اب تین سو سال سے علم کا چرچا ہے، لیکن علم دولت کا ذریعہ بن گیا ہے۔ علم کے ساتھ

Marfat.com

روزگار کے لئے محنت کشی کا عمل غائب ہے۔ اب علم اور معاش ایک دوسرے کا حصہ بن گئے ہیں۔ مزید تعلیم بند کرنی چاہیے، اس لئے کہ ملازمتیں نہیں ہیں۔ مسائل پیدا ہورہے ہیں، حکومت کا اس بات پر زور ہے کہ تعلیم عام نہ ہونے پائے، اس لئے کہ تعلیم یافتہ لوگوں کو کھپانا مشکل ہے۔

کسی بھی سوسائٹی میں ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاش کے لئے جدوجہد کرے، چاہے صفائی کا کام ہی کیوں نہ ہو، بلکہ یہ تو بہتر کام ہے۔ اگر میں کسی دوسرے بہتر کام کے لائق نہیں ہوں تو مجھے صفائی کا کام کرنا چاہیے۔ میں میدان کی صفائی کرکے آخر کیا نقصان کررہا ہوں۔ اس لئے معاش کا مسئلہ حصول علم سے جداگانہ چیز ہے۔ علم کا حصول ان بیدار ذہن کے حامل افراد کے لئے ہے، جنہیں معلوم ہو کہ کچھ بیدار ہوں تاکہ آگے کی طرف رواں دواں ہوں، علم میں زندگی ہے، جسے ہم نہیں جانتے، یہاں دو منزلیں ہیں، ایک کا رخ زندگی کی طرف ہے، دوسری کا موت کی طرف۔ موت تو یقینی بات ہے، سب اس کی طرف رواں دواں ہیں، لیکن یہاں ایک اور بھی منزل ہے جس کا ہمیں ادراک نہیں۔ اور اس راہ سے واقفیت کے بغیر ہم مرجاتے ہیں۔

محترم! وہ لوگ جانتے ہیں جنہوں نے ساری زندگی علم حاصل کیا ہے، انہیں معلوم ہے کہ یہاں کوئی چیز ہے جو شاید اسے موت سے بچا سکتی ہے اور اسے اس زندگی کی طرف لے جارہی ہے، جسے وہ نہیں جانتا۔ اگر ایسا ہے تو پھر آخر اس کے لئے کوشش کیوں نہ کی جائے یہ اور مردنی کیوں ہے؟ اگر تم نوجوانوں میں یہ شعور پیدا کرسکتے ہو تو پھر یقیناً تم اچھا کام کررہے ہو۔ لیکن اس کا ادراک پیدا کرنا اس وقت تک

Marfat.com

مشکل ہے، جب تک تم خود ان مراحل سے نہ گذرو گے جو خود نہیں جانتا، وہ دوسروں کو کیا سکھا سکتا ہے۔

اے پسر بکوش بہ روزی پدر شوی
تا راہ بین باشی کہ راہبر شوی

پہلے تم خود روشنی حاصل کر کے اسے محفوظ کرو، پھر اپنے بھائیوں کی رہنمائی کرو، اسی لئے تم استاد کہے جاتے ہو، اس سے پہلے تم شاگرد تھے، جب تک تم روشنی حاصل نہیں کرتے، اس وقت تک چاہے تم ڈاکٹر بن جاؤ، یا اس سے بھی زیادہ، تم طلبہ میں ہی شمار ہو گے۔ جو سچ سے ناواقف ہوتے ہیں وہ منزل سے دور ہوتے ہیں۔ اپنا وقت گفتگو میں ضایع نہ کرو۔ کچھ کرنا چاہئے، لیکن جب تک سوئے ہوئے ہیں، اس وقت تک حاصل کرنا مشکل ہے۔ ہم نے علم کو معاش کا ذریعہ بنا کر، اپنی کیا حالت بنالی ہے۔ بس! ہمارے سیاستدانوں نے، ملک اور قوم کو اس حالت میں مبتلا کیا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۰۶، ۱۹۰۷ یا ۱۹۰۸ء کی بات ہے ہم سوشالاجی کے کلاس میں پڑھ رہے تھے، پروفیسر ہاب ہاؤس (Hob House) مرحوم (اللہ ان کی مغفرت فرمائے) وہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور گفتگو کے لئے تیار نہیں تھے، ہم نے پوچھا کہ کیا مسئلہ ہے۔ موصوف نے کہا کہ میں آپ لوگوں کو پڑھانے آیا ہوں، یہ جو رسالہ میرے ہاتھ میں ہے، وہ قابل مطالعہ ہے۔ اس میں ایک مشرقی فرد کا ایک مضمون چھپا ہے، جس کا عنوان ہے "مغرب میں زندگی کی ناکامی" لہذا ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ مشرق اور مغرب میں لوگوں کی زندگی ناکام کیوں ہے۔ میں سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں کہ اس مہربان استاد نے جس مسئلہ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ یعنی ناکام زندگی کی

Marfat.com

طرف، وہ اس وقت مغرب چاہے مشرق سب کا بنیادی مسئلہ بن چکا ہے، جس طرح میں نے بتایا کہ مغرب کی ایک ممتاز شخصیت نے کہا تھا کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں صرف آٹھ افراد دیکھے ہیں، جو بیدار ذھن کے مالک ہیں۔ جو شخص نیند میں سویا ہوا ہے، وہ تو ایک لحاظ سے سلامت ہے، لیکن جو شخص نیند میں چل رہا ہے، وہ نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ وہ اپنا سر گنوا سکتا ہے وہ ماچس کی تیلی جلا کر دوسروں کا گھر جلا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ وہ نیند کی حالت میں کرتا ہے۔ ایسا شخص جو کہتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ نیند کی حالت میں کیا ہے، اسے سزا کیسے دی جا سکتی ہے۔

جب تک کسی کام کے لئے نیت صحیح نہیں ہے، اس وقت تک وہ عمل بے جان ہے، بلکہ ایسا عمل زیادہ برا ہے۔ اس لئے نیت کی صفائی بہت ضروری ہے۔ مسلمان اس حقیقت سے واقف نہیں کہ جب وہ نماز پڑھنے جاتے ہیں تو ان کے لئے نیت کا صاف ہونا ضروری ہے۔ یہ نیت کیا ہے۔ نیت کی معنیٰ اپنے ذہن اور دل کی صفائی اور تطہیر ہے، تم یہاں کھڑے ہو، کس لئے کھڑے ہو۔ اگر تم یہاں اعضاء کو حرکت دے کر ورزش کرتے ہو تو پھر اس صورت میں تمہارے اعضاء کی یہ حرکت نماز سے مختلف چیز ہے۔

نیت کے بغیر نماز کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ نہ صرف نماز بلکہ کوئی بھی چیز نیت کے بغیر کسی اہمیت کی حامل نہیں۔ 'نیت المؤمن خیر من عملہ' اس لئے اپنا ذہن صاف رکھنا چاہیے اور علم کو دولت اور معاش کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے؛ جس نے معاشرے میں سنگین مسائل پیدا کئے ہیں۔ علم حاصل کرنا چاہئے سیکھنے کے لئے تاکہ دوسروں کو سکھایا جا سکے، نہ کہ ریا کے لئے، اس لئے کہ جب تم خود نہیں جانتے اور تعلیم کا انداز اختیار

Marfat.com

کرتے ہو، اس طرح تم اپنے آپ سے فریب کرتے ہو، نہ جاننے والا دوسروں کو کس طرح پڑھائے گا۔ ایسی بات نہیں کی جاسکتی، سوائے اس فرد کے جو جانتا ہو یا جس نے مشاہدہ کیا ہو۔ اس لئے ان لوگوں کی طرح ہونا چاہیے، جنہیں عین الیقین اور علم الیقین حاصل ہے۔ جب تک عین الیقین حاصل نہیں، اس وقت تک استاد کا کردار ادا کرنا لاحاصل ہے، عین الیقین کے بعد حق الیقین ہونا چاہیے۔ آخر میں حق الیقین کا مرحلہ آتا ہے۔ یقین اور اعتقاد کے یہ سارے مراحل اپنے اندر پیدا کرنے چاہیے۔ تمہیں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے سارے مدارج سے گذرنا ہے۔ میری یہ ساری گفتگو ہوا میں تحلیل ہو جائیگی، ہال سے نکلنے کے بعد پھر وہی ہوگا، جو اب تک ہوتا رہا ہے۔ چالیس سال سے میں یہی دیکھ رہا ہوں کہ ایسا ہو رہا ہے۔ تم میں سے کچھ لوگ ہنسیں گے اور کچھ دانشور کہیں گے کہ ہمارا ایک گھنٹہ ضایع ہو گیا۔ یقین جانیں، یہ خود فریبی اور دھوکہ دہی ہے، جو اپنے ساتھ کی جارہی ہے، موت ہمیں بیداری کی دعوت دے رہا ہے۔ اس وقت سوائے پچھتاوے کے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ سب سے بڑی خود فریبی ہے جو انسان اپنے ساتھ کرتا ہے۔ تمہارے اپنے ساتھ مسمرائیز اور ہپناٹائیز کا عمل کیا جارہا ہے۔ اس طرح حقیقت سے فرار اختیار کیا جارہا ہے۔ اس طرح کی صورتحال میں پڑھنے پڑھانے کا عمل کیسے جاری ہو سکتا ہے۔

درس و تدریس بڑی مہارت کا کام ہے۔ جو لوگ باتوں کے ماہر ہیں، وہ درس و تدلیس کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں۔ آج نئی نسل کی جس طرح ذہن سازی اور تربیت ہو رہی ہے، وہ مقصدیت سے خالی ہے۔ یہ معصوم نو عمر جن کی رہبری کرنا تمہاری ذمہ داری ہے، انہیں ایسے لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑا جارہا ہے، جو خود

Marfat.com

فریب ہیں اور اپنے مقاصد کے لئے دنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہی صورتحال افریقہ، ایشیا اور سارے یورپ کی ہے۔ پوری دنیا میں خود فریبی کا یہی کھیل جاری ہے۔ جیسا میں نے آپ کو بتایا کہ یورپ کی ایک ممتاز فاضل شخصیت کو زندگی بھر صرف آٹھ بیدار افراد ملے، لاکھوں کی آبادی میں بیدار افراد کا تناسب یہی ہے۔

ایک عظیم معلم جس نے دنیا کو کتابوں اور تصنیف سے مالا مال کیا ہے، جس کی ایک ہی دعا تھی 'رب زدنی علما' آخر وقت تک انہیں علم کی طلب تھی۔ 'اطلبوا العلم من المھد الی اللحد' یہ انہی کا فرمان ہے کہ علم حاصل کرو، چاہے وہ کہیں بھی ہو، دھرتی بہت چھوٹی ہے۔ دھرتی سے باہر بھی بہت کچھ ہے، جس کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے سیکھو جو کچھ تم سیکھ سکتے ہو۔

فرمایا گیا ہے "پڑھیے"، پڑھنے کے لئے ایک شرط ہے، وہ شرط ہے، اس ہستی کا نام، مسلمانوں اور اہل یورپ نے اس شرط کو نظر انداز کیا ہے یا اسے ثانوی حیثیت دی ہے۔ یورپ اور امریکہ نے مسلمانوں سے جو علم حاصل کیا، وہ دوسرے نمبر کا علم تھا۔

'اقرأ باسم ربك الذى خلق' پڑھیے، اس ہستی کے نام سے، جس نے سب کچھ پیدا کیا ہے، اس ہستی کے ساتھ تعلق کے بغیر کیا پڑھا جاسکے گا۔ پڑھو، اس ہستی کو جو ہر جگہ موجود ہے۔ اس ہستی کی عظمت کے مشاہدہ کے لئے ضروری ہے کہ فطرت کا مطالعہ کیا جائے اور انسانی تخلیق پر غور و فکر کیا جائے، اس لئے یہ پہلی شرط ہے، اقرأ باسم ربك الذى خلق

آج کل دنیا کی حالت یہ ہے کہ اس نے کائنات کی خالق ہستی سے اپنا رابطہ اور تعلق منقطع کر لیا ہے اور علم کا رشتہ اس ہستی سے توڑ لیا ہے۔ موجودہ دنیا کی ساری

Marfat.com

پریشانیوں کا بنیادی سبب یہی ہے۔ اسی لئے سارے سائنسی علوم اور فنون میں حاصل ہونے والی ساری صلاحیت لاحاصل اور بے فائدہ ہے۔ ضرورت ہے کہ ان سارے علوم کا رشتہ اس خالق ہستی سے جوڑا جائے۔

بسم اللہ کے لئے وضو یعنی پاکیزگی ضروری ہے۔ ہر سورۃ کا آغاز ابتداء میں بسم اللہ سے کیا گیا ہے، اس لئے کہ قرات کا مقصد باسم ربك الذی خلق ہے۔ چنانچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یعنی اس اللہ کے نام سے، جو رحمان و رحیم ہے، سے شروع کیا جائے، بسم اللہ کو دل سے پڑھا جائے، جس کے لئے فرماتے ہیں، للہ الدین الخالص اللہ تعالیٰ اور کچھ نہیں بلکہ خالص اور سچے عمل کو قبول کرتے ہیں۔

تمہیں اپنے ذہن کو تیار کرنا چاہئے کہ ہم کسی دوسرے مقصد کے لئے علم حاصل نہیں کریں گے، بلکہ اس سے ہمارا مقصد اقرا کے حکم کی پوری طرح تعمیل کرنی ہے۔ اقرا باسم کے حکم سے انحرافی کا نتیجہ ہے کہ تعلیم کے نام پر وقت ضایع کیا جا رہا ہے اور ہزاروں مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کو حل کرنے کی کوششوں سے نئے مسائل پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ جب بنیاد غلط ہو جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

انسان نے آج ہزاروں مسائل پیدا کئے ہیں اور مختلف اقتصادی مسائل کا پرچار کر کے کہا جا رہا ہے کہ بنیادی مسائل یہ ہیں۔ چونکہ انسان بنیادی طور پر غلط ہو گیا ہے اور اس کی پوری زندگی غلط رخ پر چلی گئی ہے۔ نیز اس نے اس سارے منظر کو غلط سمجھا ہے، جس میں وہ رہ رہا ہے، اس لئے وہ کوئی مسئلہ حل نہیں کر سکتا۔ امریکہ ساری دولت خرچ کر کے بھی مسائل کو حل نہیں کر سکتا، برطانیہ جس کی قوت ختم ہے، وہ بھی اپنے مسائل حل کرنے سے قاصر ہے۔

Marfat.com

میں نے آپ کو بتایا تھا کہ جب میں لڑکا تھا، میں برطانیہ گیا تھا۔ میں نے وہاں چائے پی تھی، لیکن ان دنوں یہاں پیسوں سے چائے پینے کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا۔ اور آج حالت یہ ہے کہ لوگ چائے کا پوڈر پیتے ہیں اور خرید کر پیتے ہیں، یہ کیا ہو گیا ہے۔ آج برطانیہ زوال پذیر ہے۔ اس کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں، عالمی لڑائی اور دولت کی کمی وغیرہ، لیکن یہ سب بہانے ہیں، اصل سبب یہ ہے کہ ان کی اخلاقی قدریں تھیں، جو انہوں نے ضایع کی ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے جو انگریز بھگت رہا ہے۔ ہماری حالت بھی اس سے مختلف نہیں۔ ہم بھی زوال پذیر ہیں۔ ہمیں خدا کی روشنی کی ضرورت ہے۔ آئیں، دل کی گہرائیوں سے دعا مانگیں اور ہدایت طلب کریں، جب ذہن کو ساری گندگیوں سے پاک کر کے دعا مانگیں گے تو پھر سچائی اور حاکمیت نصیب ہو گی، اس کے بعد ہم اصلاح کے سارے کام کر سکیں گے اور دنیا کے مسائل بھی حل کر سکیں گے۔

میں نے امریکہ اور برطانیہ کا گہرا مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ میں برسہائے برس مغربی دنیا میں رہا ہوں، اس لئے میں ان کی پریشانیوں، ان کے مسائل سے پوری طرح واقف ہوں۔ آج ہر جگہ تاریکی ہے، دنیا روشنی سے محروم ہے، مغربی دنیا گمراہ ہے، اس گمراہی کی وجہ سے وہ خود بھی پریشان ہے تو ساری دنیا کو رنج والم اور پریشانیوں میں مبتلا کیا ہے۔ مغربی دنیا کاروباری، چالبازی، جھوٹ، ڈپلومیسی اور مفادات کی روش کی وجہ سے اس صورتحال میں مبتلا ہوئی ہے، اگر دنیا میں کچھ بھی روشنی ہوتی تو دنیا اس صورتحال سے نکل سکتی ہے۔ بسم اللہ سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا چاہئے، اس لئے کہ جوں ہی اللہ کا تصور مضبوط ہوتا ہے تو شیطان کے اثرات زائل ہونے لگتے

Marfat.com

ہیں۔ آج ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ آج گھر جا کر اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے ذہن پاک ہوں اور ہماری زندگی بہتر کاموں میں صرف ہو اور ہمیں دنیا کی رہنمائی کی سعادت حاصل ہو۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی۔ تم نے لیڈر شپ کا لفظ پڑھا ہوگا۔ لیکن تمہیں اس کا صحیح مفہوم معلوم نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کا صحیح علم تھا جب انہوں نے کہا "و جعلنا للمتقین اماما" اے اللہ ہمیں متقیوں کا امام بنا۔ تاکہ ان کی رہنمائی ہو، یہ امامت تمہارے پاس آسکتی ہے، اگر اپنے ذہن کا تزکیہ کر کے علم حاصل ہو۔ رات شروع ہوتی ہے تو مطالعہ مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے دن ختم ہونے سے پہلے سیکھنا چاہئے، پھر دوسروں کی رہنمائی کے کام میں لگنا چاہئے۔

آخر میں میں یہ کہوں گا کہ سب سے پہلے خود سیکھنا چاہئے۔ خود سیکھے بغیر دوسروں کو سکھانے کا عمل مشکل ہے، پھر تعلیم کا مقصد ہونا چاہئے۔ مقصد اور پاکیزہ نیت کے ساتھ ہی ساری گندگی دور ہو سکتی ہے، جو ہمارے معاشرے میں ایک عرصہ سے موجود ہے۔ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔

Marfat.com

سندھی ادب میں جدید رجحانات

خواتین و حضرات! آپ نے ہمیشہ کی طرح اس موقعے پر اتنا سنا ہے اور میں بھی ذہن پر زور دے رہا ہوں کہ وہ سب اچھے نام یاد کروں۔ پروفیسر محبوب علی چنہ صاحب نے بہت اچھی کوشش کی ہے، انہوں نے سندھی ادب کی پوری تاریخ، زبان کی شروعات، جدید پبلشروں کے نام اور ادبی تنظیموں کے نام وغیرہ مختصراً بتائے ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ انہوں نے کوئی چیز چھوڑی ہو۔ انہوں نے کسی ادارے کا نام نہیں چھوڑا، جو شکایت کرے کہ اسے نظر انداز کیا گیا ہے، یہ بڑی بات ہے کہ یہ ساری تفصیل چالیس منٹ کے مختصر عرصے میں پیش کی گئی ہے، انھوں نے پورا مقالہ ۳۵-۳۶ منٹ میں پڑھا ہے، سندھی ادب کا کوئی شاگرد فیل نہیں ہوگا، اگر وہ سب کچھ یاد کرے۔

پروفیسر صاحب نے میرے لئے مشکل پیدا کردی ہے کہ اب میں کیا کہوں، میرے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں رہا۔ ہر وہ بات کہی گئی ہے، جو مجھے کہنی چاہیے تھی، لیکن ایک بات جو آپ کے لئے حیرت کا باعث ہوگی، میں اس سے بات شروع کرتا ہوں، تاکہ تم گھر جاؤ تو ہنستے جاؤ، بجائے اس کے کہ تم سنجیدہ ہوکر جاؤ۔

ایک بات جو اب بھی عجیب ہے، وہ یہ ہے کہ انسان نے کس طرح لکھنا شروع کیا اہل سندھ کس طرح کہہ رہے ہیں کہ وہ انسان ہیں، انسان نے لکھنا شروع کیا اور سندھی بھی انسان ہیں، جنہوں نے دوسروں کی طرح لکھنا شروع کیا! لکھنے کا فن خواہش

Marfat.com

کو بیان کرنے کے لئے وجود میں آیا، یہی طرز اپنا اظہار کرتی ہے، حتیٰ کہ جانور بھی آواز دیتا ہے اور بات کرنے کی کوشش کرتا ہے، گوئٹے کہتا ہے کہ جب گھوڑا آواز نکالتا ہے، جو مالک کے سامنے اس کی بھوک کے اظہار کا ذریعہ ہوتا ہے، تاکہ اسے کچھ دانہ ملے اور مالک سواری کی وجہ سے اس سے پیار کرتا ہے۔ پھر گوئٹے مزید لکھتا ہے کہ مجھے یہ بات مزید غمگین کرتی ہے کہ گھوڑے جیسا بہتر جانور بات کرنے سے قاصر ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے بات کرنے کا موثر ذریعہ کیوں نہیں دیا، سوائے اس کے کہ وہ ہنھناتا ہے، وہ بہتر آواز نہیں نکال سکتا ہے، وہ دیکھنے میں اچھا جانور نظر آتا ہے، ایک کہاوت ہے کہ ایک وقت تھا، جو ایک دفعہ گھوڑا اپنے مالک کی قبر پر کھڑا ہو گیا اور اس نے کھانے پینے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا، اس لئے اسکو اصیل جانور کہا جاتا ہے۔

میرے پاس اپنا گھوڑا ہے، میں کچھ فاصلے سے اسے اشارے سے بلاتا ہوں تو وہ آجاتا ہے اور دانہ کھاتا ہے، میرے والد صاحب کہتے تھے کہ وہ جب گھوڑے پر سوار ہو کر کورٹ میں آتے تھے تو وہ گھوڑے کو چھوڑ دیتے تھے، جو خود بخود تبیلے میں واپس آکر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک بیلجین کے شاعر نے گھوڑے پر تجربہ کیا اور اسے حساب سکھایا، جس میں وہ کامیاب ہوا، وہ چار کہتا تھا تو گھوڑا اسے چار عدد کہہ کر بتاتا تھا، اسی طرح ۸-۹-۱۰- گن کر بتاتا تھا۔ اسی طرح اس میں یہ حس موجود ہے، لیکن وہ بات نہیں کر سکتا، انسان کو حیوان ناطق یعنی بات کرنے والا جانور کہا جاتا ہے اور اس نے اپنی زبان کی ابتدا گھوڑے کے ہنھنانے سے کی ہے۔

اب تم کہتے ہو کہ یہ آرین زبان ہے اور یہ سیمٹک (Semetic) زبان ہے۔ اور یہ فلاں زبان ہے اور اسطرح جاری ہے، لیکن تمام زبانیں صرف دو پدوں والے الفاظ

سے شروع ہوئیں، ہوں ہوں کرنے سے شروع ہوئیں، کچھ اشاروں اور آواز کے میلاپ سے شروع ہوئیں، سیرین (Semetic) زبان میں دو پدموں والا لفظ تین لفظوں سے جوڑا گیا، اس طرح انسان جانور سے زیادہ ترقی کرتا گیا اور زیادہ بڑے الفاظ بناتا گیا اور اظہار کے بہتر سے بہتر طریقے ایجاد کرتا گیا۔ زبان کی اس ارتقاء سے جہاں آرین زبان اور غیر آرین زبان کے جھگڑے ابھرے، وہاں اس سے انسان میں ایک بلند شعور بھی پیدا ہوا، باقی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان میں جانورانہ حس موجود ہے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس جانور نے آواز اور اشاروں سے گفتگو کی شروعات کی۔ اشاروں اور آوازوں نے اسے تین لفظوں میں جوڑدیا۔ الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان۔ اس طرح ہر چیز کسی نتیجہ پر پہنچی اور انہوں نے ایک دوسرے کو سمجھنا شروع کیا، یہاں تک کہ کتا بھی کچھ اشاروں سے سمجھتا ہے، لیکن خلق الانسان علمہ البیان جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان کرنا سکھایا اور بیان زبان بن گئی، یہ بیان ایسی چیز ہے، جو انسان کو حیوان سے جدا کرتی ہے اور انسان حیوان ناطق یعنی بات کرنے والا جانور ہو جاتا ہے، نطق اس میں آیا، اور یہ نطق یعنی گفتگو اس وقت آتی ہے، جب اس میں سمجھ آتی ہے، جب وہ فطرت کا زیادہ مطالعہ کرتا ہے، اس کے بعد وہ بیان کرتا ہے، کیونکہ یہ ضروری ہے، تو جب تک کسی چیز کا مطالعہ و مشاہدہ نہیں ہوتا اس وقت تک بیان کرنا مشکل ہے، جتنا فطرت کا زیادہ مطالعہ ہوگا اتنا زیادہ بیان کی صلاحیت پیدا ہوگی، اب اس چیز کا مدار اس بات پر ہے کہ فطرت کے مطالعے کے سلسلے میں فرد کی ارتقا کیا ہے، اگر شیشہ عکس سے خالی ہے تو اس سے کیا ظاہر ہوگا؟ اسلئے گفتگو مطالعہ فطرت کی صلاحیتوں کا مظہر ہے، فطرت میں اللہ تعالیٰ کی

آیات کا جتنا مطالعہ اور مشاہدہ ہوگا، اسی قدر اس کے اظہار کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ دوسری صورت میں کچھ بھی نہیں ہوگا اور فرد بہرہ، گونگا اور اندھا ہے، اس لئے زبان ان ساری چیزوں کا آغاز ہے، زبان کی بنیاد پر جھگڑا کرنا غلط ہے۔

میرے دوست نے ایک لفظ استعمال کیا، میں اس کی مثال دیتا ہوں، آپ نے دیبل لفظ سنا ہے، جو سندھ کے ایک پرانے شہر کا نام ہے، انہوں نے کہا کہ فلاں فلاں چیزیں دیبل سے آئی ہیں، دیبل کا لفظ سندھ کی تاریخ میں سارے مصنفوں حتی کہ عربوں نے بھی اسے استعمال کیا ہے، اب یہ دیبل کیا ہے۔ کیا کسی نے اس کا مطالعہ کیا ہے کہ یہ لفظ کہاں سے آیا ہے۔ ہم سب اس ملک میں رہتے ہیں، لیکن کیا کوئی بتا سکے گا کہ دیبل کیا ہے؟ یہ نام آرین یا غیر آرین یا سیرین یا خدا جانے کس کا ہے۔ اس شہر کا یہ نام کس طرح ہوا، افسوس ہے کہ یہاں نفسا نفسی کی فضا ہے، کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی دھرتی کے بارے میں نہیں سوچتا کہ یہ دھرتی ہم میں سے کسی کی نہیں ہے، اس طرح کی سوچ مفقود ہوگئی ہے، یہ صرف اس کی ہے جس نے اسے بنایا ہے۔ "ان الارض للہ" آئیں اس دھرتی کو بغیر حس کے دیکھیں، جیسا کہ اقبال نے کہا ہے کہ ایک دن ہاری اور زمیندار لڑ پڑے اور دونوں نے دعویٰ کیا کہ زمین اسکی ہے، پھر انہوں نے آپس میں کہا کہ آؤ چل کر دھرتی سے پوچھیں کہ وہ کس کی ہے، جب وہ دھرتی کے پاس گئے اور دھرتی سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ تم دونوں بے وقوف ہو، میں تمہاری نہیں ہوں، بلکہ تم دونوں میرے ہو، تم دونوں کو لوٹ کر میرے پاس آنا ہے، تم نے اس حقیقت کو بھلا دیا ہے، یہ بلکل ایسا ہے جیسے ہم یہاں احمقانہ باتوں پر لڑ رہے ہیں، اب دیبل لفظ کے بارے میں میری تحقیق سنو، میں نے اس پر سر کھپایا ہے، دیبل لفظ

Marfat.com

دیوبیل سے نکلا ہے، دیوبیل کی معنیٰ خدا کا شہر ہے۔ پھر تم پوچھو گے کہ بیل کی معنیٰ شہر کس طرح ہوا، میں بتاؤں گا کہ دنیا میں دو بیل اور بھی موجود ہیں، ایران میں ایک شہر ہے، جس کو اردبیل کہا جاتا ہے، جس کی معنیٰ ہے، فوج کا شہر اود کی معنیٰ ہے فوج، یہ بیل لفظ فرینچ کے "ویل" سے آیا ہوا ہے، جس کی معنیٰ گھر یا شہر ہے۔ آؤ ویل معنیٰ گھر میں موجود تم فلاں کا فلاں لاولا کہتے ہو، یہ فرینچ لفظ ہے، اسی طرح ویل اور بیل بالکل یکساں آریائی الفاظ ہیں، جس کی معنیٰ گھر یا شہر کی ہے، سندھ اور ایران میں ۔ویل' کی جگہ۔ بیل، استعمال ہوتا ہے۔

اب دیوبیل کی معنیٰ خدا کا گھر اور جیسا کہ میں نے کہا کہ اردبیل معنیٰ فوج کا شہر، قدیم جرمن دیومالا کے مطابق ارد کی معنیٰ موت یا تباہی والا خدا ہے، جہاں بھی فوج آتی ہے، وہاں وہ تباہی لے آتی ہے۔ اسی طرح ارد لفظ کو ٹیوٹانک قوم میں موت والا خدا کہا گیا۔ حضرات! اس ارد سے ہی اردو لفظ وجود میں آیا ہے، جس کی معنیٰ فوجی (لشکری) زبان ہے۔ اب تم نے دیکھا کہ زبانوں کا آپس میں کس طرح ربط ہے، دیکھیں، کہاں فرانس اور کہاں سوئیڈن، کہاں ایران کا اردبیل اور کہاں سندھ کا دیبل، کس طرح یہ آپس میں مربوط ہیں۔

پچھلے دنوں کسی موقعے پر میں نے کہا تھا کہ جب میں اٹلی گیا ہوا تھا اور وہاں میں نے اطالوی تقریر سنی تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ گویا میں اپنے سندھ میں موجود ہوں۔ ڈاکٹر سورلی ہمیں یہاں اپنے علم سے مستفیض کرنے آئے ہیں اور میں نے انہیں ایک اہم حقیقت سے آگاہ کیا اور کہا کہ تم اپنے آپ کو سمجھتے ہو کہ تم آسمانی مخلوق ہو، لیکن جب میں جوانی میں اٹلی گیا اور وہاں کے ایک فرد کی گفتگو سنی تو میں نے سمجھا کہ میں

Marfat.com

سندھ میں موجود ہوں۔ اس نے کہا مسٹر قاضی، آپ نے یہ کیسے محسوس کیا ہیں نے اسے وہ سطر بتائی، جو انگریزی میں محاورنے کے طور پر استعمال ہوتی ہے کہ (Viday Naple a Poi Mari) نیپل دیکھ کر پھر مرو، اطالوی زبان میں ہے کہ۔ ودئی نیپل آپو مور، میں نے کہا نیپل دیکھ کر پھر مرو، بس میں نے کہا کہ میں نیپل میں نہیں، بلکہ سندھ میں ہوں۔

اب لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں، لیکن اگر وہ اپنی اصل حقیقت کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ سب ایک ہی فرد کی نسل سے ہیں اور انسانوں کی زبانیں بھی اسی حقیقت کا اظہار ہیں۔ بابل کے شہر میں لوگ ایک ساتھ رہتے تھے، جب بابل کا زوال آیا تو زبانوں کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے سے جدا رہنے لگے۔ دیبل کا لفظ صرف ان کی رہنمائی کرتا ہے، جنہیں اس امر کی تلاش ہے کہ زبان کی ابتدا کیسے ہوئی، یہ نمونے کے طور پر صرف ایک لفظ پیش کیا گیا ہے، ورنہ ایسے سینکڑوں الفاظ پیش کیے جاسکتے ہیں، اسی طرح میں نے آپ کو بتایا کہ کہاں دیبل اور کہاں ایران کا اردبیل، کہاں فرانس میں ویل اور کہاں سوئیڈن کا ارد یعنی موت کا خدا اور کہاں بر صغیر ہند کی اردو زبان۔

مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک دفعہ حوالہ دیا تھا کہ 'ارد' جرمنی زبان میں ''فرد' کو کہا جاتا ہے اور جرمن کے بادشاہ کو فرد آنند کہا جاتا تھا، اب جرمن کا "فرد" حقیقت میں اردوس ہے اور آنند کی معنیٰ آرام کے ہے، یہ ارد آنند یا فرد آنند کی معنیٰ ہے کہ فوج کے آرام کی جگہ یا شہر ہے۔ جرمن زبان میں ایسا ہی ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، البتہ یہ بات ضرور تعجب خیز ہے کہ آریانی لفظ جو شاہ عبداللطیف بھٹائی نے

Marfat.com

استعمال کیا ہے، جسے تم سب نے پڑھا ہے، یہ لفظ آریانہ سے نکلا ہے، جو آرین کا اصلی نام یا آرین رہنما یا شرفاء کا نام ہے، یہ آریے شمال بلوچستان اور جنوب ایران سے تعلق رکھتے ہیں، اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انسان ایک دوسرے سے کس طرح اخذ کرتا رہا ہے، ان حقائق کو دیکھے بغیر باہم لڑنا غلط ہے۔ ہم زبان کی لغت اور اصلیت کی طرف نہیں جاتے، اس سے گفتگو طویل ہو جائیگی۔ لیکن میں ایک چھوٹی سی مثال دے رہا ہوں کہ ان حقیقتوں کے بارے میں لڑنے کی بجائے ان پر سوچنا چاہیے۔ دیول بھی وہی چیز ہے، دیول میں لوگ عبادت کے لئے آتے ہیں، دیول دیوویل ہے، دیو کی معنیٰ خدا اور ویل کی معنیٰ گھر یعنی خدا کا گھر، جیسے فرینچ میں خدا کو ڈیو کہا جاتا ہے اور یہ ڈیو اور کوئی چیز نہیں، بلکہ یہ دیو ہے آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ ڈیو اور دیو یعنی "خدا" سندھی زبان "ڈیو" سے نکلا ہے، ڈیو سے مراد روشنی دینے والا، اس لئے لوگوں نے اسے دیو اور ڈیو، یعنی خدا اور روشنی کہا، اب یہ "ڈیا" کا لفظ عربی لفظ "ضیاء" سے نکلا ہے جس کی معنیٰ بھی روشنی ہے۔

آپ نے یونان کے خدا کے بارے میں سنا ہوگا، یہ ڈیو پیدر کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جس کی معنیٰ ہے خدا کا باپ، اس طرح ڈیو پیڈر بدل کر جیپٹر ہو گیا۔ یہ زبان کی بے تاریخ ہے۔ ایک ایک لفظ کی تفہیم کے لئے سارا دن لگ جائے گا، لیکن حضرات! اس سے انسانیت کی قربت کا شعور پیدا ہونا مشکل ہے، جب تک فرد کی آنکھیں بند ہیں، اس وقت تک وہ اندھا ہی رہتا ہے، ان کا مطالعہ نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی دھرتی اس کے سامنے ہے، وہ چیزوں کو دیکھتا ہے، لیکن جب وہ پردہ اٹھا کر گہرائیوں سے غور و فکر کرے گا تو اسے بہت سارے حقائق کا علم ہوگا، جو دوسروں تک حقائق پہنچاتا ہے، ان میں

Marfat.com

شاعر اور مصنف بھی شامل ہے، انہیں صاحب علم بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ صاحب علم جو کچھ دیکھتے ہیں، وہ ہم نہیں دیکھ سکتے، اس کی اندرونی طلب ہوتی ہے، جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے، وہ دوسروں کو بتائے۔ اللہ کی کتنی مخلوق ہے جو ہم نے بغیر مطالعے کے دیکھی ہے اور اس کی روشنی جذب نہیں کر سکے ہیں، ہم اس کا کیا جواب دیں گے، جب کہ ہم خالی ہیں، ایسے لوگ جو جواب میں عکس دیتے ہیں اور اس روشنی کو ظاہر کرتے ہیں، ان کو مصنف، شاعر، آرٹسٹ، اور جمالیات کا ماہر کہا جاتا ہے، وہ لوگوں کے لئے تخلیق کرتے ہیں اور اسی کو علم وادب کہا جاتا ہے۔

کارلائل کہتا ہے کہ یہ بہت خوبصورت منظر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آسمان ستاروں سے مزین ہے، لیکن کون ہے جو اس کا نوٹس لے، لیکن جب کوئی پینٹر تصویر بناتا ہے تو اس میں بلورنگ آسمانی بنا کر اس میں کچھ تاریکی جیسے رنگ کی آمیزش کرتا ہے تو ہر شخص اس کی طرف دیکھنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو آسمان ہے، وہ بھی اس انداز سے گویا کہ اس نے آسمان دیکھا ہی نہیں ہے، ایسا کیوں ہے؟ چونکہ فرد انسان کی زبان ہی سمجھتا ہے، وہ چیز جسے وہ خود نہیں دیکھ سکتا، اسے دوسروں کی معرفت دیکھنا چاہتا ہے، لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ اس شخص نے آسمان کا مشاہدہ کیا ہے تو اس کی فطرت میں اسے دیکھنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور وہ پینٹر کی تصویر دیکھنے لگتا ہے، لیکن وہ خدا کی بنائی ہوئی تصویر نہیں دیکھتا، جو اس کے لئے بہت اہمیت کی حامل ہے، لیکن ایک دوسرا شخص ہے، جس نے ایک خوبصورت شعر کہا ہے، لوگ اسے سمجھتے ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب لوگ ذہنی طور پر شدید الجھن کا شکار ہیں، عین اس موقع پر شاعر کا وہ شعر لوگوں کے ذہن میں آتا ہے اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک نئی دنیا ان کے سامنے

Marfat.com

آرہی ہے اوران کی ساری الجھنیں ختم ہوگئی ہیں۔ میں نے کئی بار بھٹائی کا ایک شعر پڑھا ہے، جو اندرونی اضطراب کے وقت میں پڑھتا رہتا ہوں، شعر کے الفاظ ہیں۔

الا ائینءَ مر هوءِ جیئن آءَ مران بند ۾
جُسو زنجیرن ۾ راتیان ڏیهارن روءِ
پهرین وجان لوءِ پوءِ مر پچنم ڏینهڙا

میں اس خوفناک پنجرے میں بند ہوں اور معلوم نہیں کہ میں کہاں ہوں، میں آسمان کے نیچے کس طرح قید میں بند ہوں، کیا یہ قید خانہ ہے؟ بھٹائی بھی گوئٹے کی طرح کہتا ہے کہ کائنات کی فطرت میں، میں کہاں پہنچوں گا، آپ نے مجھے زنجیروں میں باندھا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں اس قید خانے میں کیسے آیا ہوں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں ہوں، میرے پاس روشنی نہیں آتی، جب کہ مجھے مزید روشنی کی ضرورت ہے، تاکہ میں معلوم کروں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں اور کہاں ہوں اور مرنے سے پہلے کچھ کر گذروں، لطیف نے یہ اشعار تین سطر میں ماروی لڑکی کے روپ میں کہے ہیں۔

الا ائینءَ مر هوءِ جیئن آءَ مران بند ۾
جُسو زنجیرن ۾ راتیان ڏیهارن روءِ

شب وروز آتے رہتے ہیں، لیکن یہ سب قید خانہ ہے، کسی کو معلوم نہیں کہ ہم کیسے آئے اور کہاں جائیں گے۔

ع "پهرین وجان لوءِ پوءِ مر پچنم ڏینهڙا"

قرآن میں ہے "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" قرآن بھی وہی تصور پیش

کرتا ہے کہ تم اس وقت تک نہ مرو، جب تک تمہیں معلوم نہ ہو جائے کہ موت سے پہلے تم یہاں کیوں آئے ہو۔ مرنے سے پہلے یہ معلوم کرلو کہ تم یہاں کس مقصد کے تحت آئے ہو۔ موت کیا ہے، روزانہ معلوم ہوتا رہتا ہے کہ آج فلاں شخص وفات ہوا، کل کچھ اور لوگ مر گئے، لیکن کاش کہ ہمیں معلوم ہوتا کہ ہم دنیا میں کیوں آئے ہیں اور اب کہاں جارہے ہیں، یہ کتنی بڑی افسوس ناک بات ہے کہ ہم یہ معلوم کئے بغیر جارہے ہیں، بھٹائی کی ان تین سطروں سے اُس کی وضاحت ہوتی ہے، کبھی کبھار میں صبح سات بجے سے دن کو ایک بجے تک یہ شعر گنگنا تارہتا ہوں اور روتا رہتا ہوں۔

الا ائينءَ م هوءِ جيئن آءٌ مران بند ۾
جُسو زنجيرن ۾ راتيان ڏيھارن روءِ
پھرين وڃان لوءِ پوءِ مر پڇنم ڏينھڙا

حضرات! سندھی میں جدید رجحانات کا کوئی وجود نہیں، جدید رُجحانات آنا شروع ہوئے تھے جو خود بخود ختم ہو گئے، پانچ سالوں میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، جس سے معلوم ہو کہ اس میں مطالعہ کے لائق خیالات پیش کئے گئے ہیں، بھٹائی کے مذکورہ اشعار میں ہم سب کے لئے یہ پیغام ہے کہ خدائی فطرت کا مطالعہ کیا جائے، اپنی دلوں کو باطل خواہشات سے پاک کیا جائے، اس کے لئے شب و روز روتے ہوئے گذارے جائیں، اس وسیع اور خوبصورت زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور آئینہ کی طرح اس کا عکس پیش کیا جائے، یہی کچھ ہمیں کرنا ہے، باقی ہمارے ہاں نہ تو ماضی کے رجحانات ہیں اور نہ ہی کوئی دوسرا رجحان ہے، ہمارے ہاں اور کچھ نہیں، بس صرف موت کا منظر ہے۔

Marfat.com

افسوس ہے کہ یہاں حقیقت یا اصلیت کے بارے میں نہیں سوچا جاتا اور نہ ہی محسوس کیا جاتا ہے اور نہ اصل خوبصورت حقیقت بیان کی جاتی ہے۔ کرنے کا اصل کام یہی ہے، جسے علم، ادب، آرٹ اور شاعری کہا جاتا ہے۔ جب تک یہ نہیں ہوتا، اس وقت تک یہ بے شرمی کی بات ہے کہ (بلا مقصود) کائنات کی چیزوں کا مشاہدہ کیا جائے۔ اللہ کی قدرت اور فطرت آپ کے سامنے ہے، سورج کو دیکھیں کہ وہ کس شاندار طریقے سے ابھرتا ہے، ہم نے کبھی سورج ابھرتے اور اترتے دیکھا ہے، تم نے یہ کبھی محسوس کیا ہے کہ اس کے ابھرنے اور ڈوبنے میں قدرت کا بہترین منظر پوشیدہ ہے، اس کے بغیر تم کس طرح لکھ سکتے ہو، جب تم کسی چیز سے تاثر ہی نہیں لیتے۔

جمالیات کی معنیٰ احساس ہے، جب ہمیں قدرتی فطرت کا احساس ہی نہیں تو پھر ہم اس کی تصویر کشی کس طرح کر سکتے ہیں۔ پچھلے دنوں آپ کو ایک محترم نے بتایا تھا کہ زندگی کی خاصیت ہے ہضم کرنا اور پھر پیدا کرنا، یہی طریقہ ذہنی اور روحانی زندگی کے سلسلہ میں بھی ہے، یہی یک جہتی زندگی کے سارے شعبوں میں کارفرما ہوتی ہے، جب تک جذب کرنے اور پھر پیدا کرنے کا سلسلہ جاری نہیں ہوتا، اس وقت تک تخلیق کی مثال اس بچے کی سی ہے، جس نے ابھی جنم ہی نہیں لیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ تصویر ہے، کیا اس میں زندگی کا جوہر موجود ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ شاعری ہے، کیا یہ زندہ شاعری ہے، جو آپ کو زندہ رہنے کے قابل بنائے، اگر یہ آپ کو زندہ رہنے میں مدد نہیں دیتی تو پھر یہ کیا شاعری ہے، یہ تو محض شاعری کی دعویٰ ہے، ردیف اور کافیہ ہے اور الفاظ کا مجموعہ ہے، لیکن ایسی شاعری حقیقی پیغام سے خالی ہے، مہربانو! یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہوگا، جب تک آفاقی قوانین کا مشاہدہ نہ

Marfat.com

ہوگا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی خوبصورت فطرت سے متاثر ہو کر اس کے حقائق کو جذب کرنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی، اس کے بعد ہی آپ مصنف اور شاعر بن سکتے ہیں، جب مشاہداتی قوت، حقیقی احساسات کی دنیا بیدار ہوگی تو اس کے بعد ہی قدرتی مناظر اور اس کی خوبصورتی کو جذب کرنے کی اہلیت پیدا ہوگی اور اسے پیش کرنے کی قوت بھی حاصل ہوگی، جس طرح شاہ عبداللطیف بھٹائی میں پیدا ہوئی تھی، اس وقت دنیا حیرت زدہ ہو جائے گی۔ شاہ کے ہر شعر میں یہ خاصیت موجود ہے، میں نے آپ کے سامنے ان کے شعر کی تین سطریں پڑھی ہیں، لیکن ان کے اشعار کو بیان کرنا میری استطاعت سے باہر ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اشعار لکھے نہیں، بلکہ بے ساختہ حالت میں ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں اور اس وقت ادا ہوئے ہیں، جب وہ اپنے وجود سے جدا تھے، اسی لئے جب ہم انہیں پڑھتے ہیں، تو اپنے وجود کی گہرائیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔ کارلائل کہتا ہے کہ میرے لئے مرنا دشوار ہو جائے گا، اس لئے کہ میں نے دماغ سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہے، میں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ دل سے لکھا ہے، جو زیادہ عرصے کے لئے رہے گا، لطیف اور اقبال کا ہر لفظ ایسا ہی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جب خیالات خونِ جگر سے ہو کر ہمارے پاس پہنچتے ہیں تو احساسات کی دنیا میں انقلاب برپا ہوتا ہے، میں نے جب لطیف کی ایک سطر پڑھی تو آپ نے دیکھا کہ کتنا تحرک پیدا ہوگیا تھا، مجھے لطیف کے کلام کی کوئی بھی سطر پڑھنے کے لئے کہو گے تو تم دیکھو گے کہ اس سے از خود تحرک برپا ہوگا۔

سکي جان ستياس تان سِک سمھڻ ڇا لڳي
جاڳي ستيس جن لاءِ سي آيا تان نہ اُٿياس
پيئر آءُ پليا سِہنے تہ سِک سمھڻ ڇا لڳي

ان اشعار کو پڑھتے جاؤ، اگر تمہیں رونا نہیں آتا تو پھر گویا تم انسان نہیں پتھر کی سل ہو، ہم روتے اس لئے ہیں کہ شاعر، جس نے خدائی جمال کو دل کی گہرائیوں میں جذب کیا ہے، اس کی روح خدائی جمال کے انوار لئے ہوئے بول رہی ہوتی ہے۔

نئے سندھی علم و ادب کی تخلیق اس وقت تک ہونا ممکن نہیں، جب تک مذکورہ طریقہ اختیار نہ ہوگا، دوسرا کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے، جس سے حقیقی علم وادب کی تخلیق ہو سکے، تم میں سے ہر صاحب علم اس وقت تک زندہ رہ سکے گا، جب وہ حقیقی علم و ادب تخلیق دے گا۔ اس طرح کی تخلیق کو دنیا سننا چاہے گی، اس کے لئے وہ سندھی زبان سیکھنے پر متوجہ ہوگی، جس طرح میں نے گوئٹے کو سمجھنے کے لئے جرمنی زبان سیکھی، میں نے تھوڑی بہت عربی زبان بھی سیکھی، تاکہ قرآن کو پڑھ سکوں، میں امریکیوں، انگریزوں، جرمنوں، فرانسیسیوں کو مشورہ دوں گا کہ: اگر تم حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو سندھی زبان سیکھو، کیونکہ تمہارے پاس لطیف نہیں ہے، اس لئے تم اسے سندھی زبان میں پڑھو۔ دوسری زبان میں تم اسے نہیں پڑھ سکتے۔ کیونکہ اس کی شاعری ترجمہ نہیں ہو سکتی، یہ ترجمہ سے بالا چیز ہے۔

ذري ۾ ذاري سٽ سورن جي سسئي
پٽي آهي پنهل لاءِ نرمل نهاري.

کیا ان میں سے کسی ایک سطر کا بھی دوسری زبان میں ترجمہ ہو سکتا ہے، میں نے شاہ کا رسالہ ۱۹۲۸ء میں پڑھا تھا، میں نے رسالہ بھی ترتیب دیا ہے، میں نے دنیا کے کافی ادب کا مطالعہ کیا ہے، لیکن مجھے اس طرح کی چار سطریں کسی زبان کے ادب میں نظر نہیں آتیں، اس لئے ایک شخص کی وجہ سے زبان زندہ ہو جاتی ہے، تم اگر

Marfat.com

لطیف کی طرح سندھی زبان میں کوئی تخلیق کر سکتے ہو تو کرو، وہ ہمیشہ قائم رہے گی اور لوگوں کو مجبور کرے گی کہ وہ اسے پڑھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے عربی کو زندہ رکھا، جو اتنی جاذب نظر زبان نہیں تھی۔ گوئٹے نے جرمن زبان کو زندہ رکھا، جسے کوئی شخص پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا اور لطیف نے سندھی زبان کو قائم رکھا اور اب تک ہمارے ہاں دوسرا لطیف کیوں نہ پیدا ہو سکا، جو دنیا کو مجبور کرے کہ وہ سندھی زبان پڑھیں۔ لیکن اس کے لئے وہی شرط ہے، جو میں نے بیان کی ہے، اس کے لئے دوسرا کوئی طریقہ ممکن نہیں، دنیا سچ اور جمال سے قائم ہے، تم جتنا زیادہ سچ اور ذوق جمال کے حامل ہو گے، دنیا کو اتنا زیادہ دے سکو گے اور دنیا تمہارے قدموں تلے ہو گی۔ اس لئے کوشش کر کے اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق کا مشاہدہ کرو اور اسے جذب کرو۔

یہی وہ طریقہ ہے، جس سے تم زندہ رہ سکتے ہو اور حیوان ناطق سے بالاتر حیثیت اختیار کر سکتے ہو، تم خود اس خدائی تخلیق کے شاہکار ہو، کوشش کر کے ایسے ہو جاؤ، اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں، تم سب پر اللہ کی رحمت ہو۔

Marfat.com

Marfat.com

مشاہدہ حق

(علامہ آئی آئی قاضی کی تقاریر کا مجموعہ)

مرتب: محمد موسیٰ بھٹو

صفحات: ۲۰۸

ہدیہ: ۵۰

☆ دنیا بھر کے علوم اور فکر و فلسفہ پر مشتمل کتاب۔

☆ فلاسفر اور عارف کے زندگی بھر کے مطالعے اور ریاضتوں کا نچوڑ۔

☆ وجدان کے منور ہونے اور عقل سلیم سے جنم لینے والی فکر۔

☆ انسان، کائنات اور خالق کائنات کے حوالے سے فکر انگیز مباحث۔

ایک ایسی کتاب جس کے مطالعہ سے عقل اور وجدان کی گرہیں کھل جاتی ہیں۔

علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی حیدر آباد

Marfat.com

عرفان حق

(علامہ آئی آئی قاضی کی تقاریر و تحریروں پر مشتمل مجموعہ)

مرتب: محمد موسیٰ بھٹو

صفحات: ۲۰۸

ہدیہ: ۵۰

☆حق کے مطالعۂ و مشاہدہ پر فکر انگیز کتاب۔

☆انسانی فکر کا سیر حاصل تجزیہ۔

☆وحی و شریعت اور عقل و وجدان کے درمیان تطابق کی بہترین کاوش۔

☆افراد کے کردار اور سماجی رویوں کا حکیمانہ جائزہ۔

☆افراد کے خیر و شر کی نفسیات اور قوموں کے عروج و زوال کے بنیادی اصولوں کی نشاندہی۔

☆شاہ بھٹائی کے فکر کا دنیا کے ممتاز شاعروں کے فکر سے موازنہ۔

علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی حیدر آباد

Marfat.com

Marfat.com

تعارف

علامہ آئی آئی قاضی فکر و فلسفہ کی دنیا کی ممتاز شخصیت تھی، زیر نظر کتاب میں شامل ان کی تقاریر کے مطالعہ سے ان کی فکر کی امتیازی خصوصیات کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"آئینہ حق" کتاب میں شامل مضامین سندھی رسالے "بیداری" کے مختلف شماروں سے ماخوذ ہیں۔ زیر نظر کتاب میں بہت اہم موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علم طبعی اور اسلام میں اس کی اہمیت، الکتاب والحکمۃ اور اس سے روگردانی کے نتائج، نظام تعلیم کی نئی تشکیل، تمدن اور تمدنی زندگی کی تشریح، پبلک سرونٹ، اتحاد کے لئے تفکر اور خاموشی کی ضرورت، ذمہ داریوں کی ادائیگی اور بامقصد زندگی کی دعوت، بالخصوص فکر انگیز تقاریر ہیں۔

اگر دلوں میں زندگی کے کچھ بھی آثار موجود ہیں تو اس کتاب کے مطالعے سے یقیناً حرارت اور گرمی پیدا ہوگی اور اپنے انداز فکر اور طرز زندگی کو تبدیل کرنے کے لئے اضطراب پیدا ہوگا۔

زیر نظر کتاب ایک طرف تو اہل دل فلاسفر کے زندگی بھر کے فکر اور مطالعہ کا نچوڑ ہے، جس میں دنیا بھر کے فکر و فلسفہ کے حوالہ سے حق و صداقت کی آہنگ موجود ہے۔ تو دوسری طرف اس میں ایمان و یقین اور محبت و معرفت کی لازوال کیفیات بھی شامل ہیں۔

یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ زیر نظر کتاب میں فلاسفر کی اعلیٰ فکر بھی شامل ہے تو صوفی کی لازوال وجدانی کیفیات بھی موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں اعلیٰ تعلیمی ماہر کی بلند تعلیمی فکر بھی شامل ہے تو سماجی اصلاح کی علمبردار شخصیت کا تو، زندگی کی بہتری کے لئے لائحہ عمل بھی موجود ہے۔

297.04 ق 32 آ
76664-U-67

Marfat.com

آئینۂ حق

(علامہ آئی آئی قاضی کی تقاریر کا مجموعہ)

مرتب و مترجم

محمد موسیٰ بھٹو

علامہ آئی آئی قاضی یادگار سوسائٹی

حیدرآباد، سندھ، پاکستان

۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

Marfat.com